سوال

(01)سنت کو مضبوطی سے پکڑنا

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

سنت کو مضبوطی سے پکڑنا۔ فتاوی علمائے حدیث جلد11(مقدمہ)

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

عرف میں حدیث کا لفظ قرآن عزیزی اور آثار نبویہ پر بولا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور افعال واجتہادات اوخاموشیاں آثار میں شامل ہیں مسائل کے استنباط واستخراج میں ان آثار کو آساسی حیثیت حاصل تھی اور ہے۔ قرآن مجید کے فہم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو مقام تھا۔ وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی دوسرا شخص یہ مقام حاصل کرسکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسطفا اور انتخاب عبث ہوگا۔ نبی اور غیر نبی میں کوئی جوہری امتیاز نہیں رہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ٤٤

ترجمہ۔ ہم تم پر قرآن صرف اس لئے نازل کیا ہے۔ کہ تم لوگوں کے سامنے اسے بیان کرو اور لوگ اسے سوچیں۔ لتبین میں تعلیل جو حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا ہے۔ اگر یہ حتمی مقام کسی افراد کو یا چند افراد کو مرکز ملت دیا جائے۔ تو آیت کے دونوں فقروں میں ربط نہیں رہے گا۔ تعلیل کا مقصد یکسر ختم ہوجائے گا۔ اس مقام عظیم کا استحقاق نہ کسی قرآنی معاشرے کو دیا جاسکتا ہے اور نہ فقہی اور اجتہادی معاشرہ کو اس مقام کی وضاحت قرآن عزیز نے مختلف وجوہ سے کی ہے۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ میں دو اطاعتوں تذکرہ عطف کے زریعے کیا گیا ہے۔ جس کا اولیٰ مفہوم اور استقلال ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت قرآن عزیز کی نظر میں بالاستقلال فرض ہے۔ صیغہ امر سے بھی اولا یہی مفہوم ہوا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ٦١

جب ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلایا جائے۔ تو تمھیں معلوم ہوگا کہ منافق تمہارے نام سے رکتے اور بدلتے ہیں۔

اس مقصد کی وضاحت سورة نساء میں ایک انداز سے فرمائی ہے۔ جس میں اخلاق اور تشریح کی حد سے گزر کر تعزیر او رتادیب کا انداز اختیار کیا گیا ہے ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ١٥٠ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ١٥١ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ١٥٢

جو لوگ اللہ تعالیٰ او اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ ان کا ارادہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول میں تفریق قائم رہے وہ کہتے ہیں ان میں بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے۔ وہ ایمان اور کفر کے درمیان راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ یقینا کافر ہیں اور اہل کفر عذاب کی رسوایوں میں مبتلا ہوں گے اور جو لوگ اللہ لے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کےلئے اطاعت و انقیاد می فرق نہیں کرتے ان کے اجر ان کو ملیں گے اور اللہ کی رحمت اور بخشش ان کے شامل حال ہوگی ان آیات میں چند مسائل ثابت ہوئے ہیں۔ 1۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ایمان اور کفر میں یکساں ہیں۔ جو شخص رسول کے ساتھ کفر کرلے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن نہیں ہوسکتا اسی طرح خدا کے ساتھ کفر کرکے پیغمبر ﷺ پر ایمان ناممکن ہے۔

2۔ ذات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ جدا جدا ہیں۔ اطاعت و انقیاد میں جدائی نہیں ہے۔ اطاعت و انقیاد میں تفریق کو قرآن عزیز نے قطعی کفر فرمایا ہے۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ١٥١

3۔ منافق رسول کی اطاعت سے انحراف کرکے تیسری راہ بنانا چاہتے ہیں۔ قرآن عزیز کا ارشاد ہے۔ کہ یہاں تیسری راہ کوئی نہیں۔

4۔ اسی تفریق سے بچنا اور خدا اور اس کے رسول کی بیک وقت یکساں اطاعت کرنا یہ اصل ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور غفران اور آخرت کی کامیابی اسی قسم ک ایمان پر منحصر ہے۔

5۔ حدیث اور قرآن میں توافق ہو تو حدیث سے انکار کا سوال ہی پیدا ہوتا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب قرآن خاموش ہو یا اس میں اجمال ہو اور سنت اس کی تفصیل کرے یا قرآن حدیث سے متعارض ہو تو تعارض کی صورت میں قرآن پر عمل ہوگا۔ آئمہ سنت اس پر متفق ہوں۔ کہ خاموش اور اجمال کی صورت میں اہل سنت کے نزدیک سنت پر عمل فرض ہے۔ محبت شرعی کا یہی مفہوم ہے رسول کا تذکرہ بلحاظ رسول اور بلحاظ اطاعت اور رسول کا اس اطاعت میں استقلال اس کی مخالفت میں تہدید اور کفر کا لزوم اعمال کا حبط عذاب الٰہی کی وعید قرآن پاک میں بار بار آئی ہے۔ لمبی صورتوں میں یہ تذکرہ مختلف عنونوں سے متعدد مقامات میں آیا ہے سورت اعراف اور سورۃ النساء سورۃ احزاب میں اطاعت انبیاء کی تاکید کثرت سے آئی ہے۔ اس لئے اطاعت کا اس کے سوا کوئی مفہوم نہیں۔ کہ جو ان کی زبان سے ثابت ہو۔ اور صحیح طور پر ہم تک پہنچ جائے اس کے خلاف کوئی محدث ہو یا کوئی مجتہد مجدد ہو یا فقیہ اس کی بات متروک ہے۔ اسی طرح کوئی مرکز ملت ہو یا کوئی خود ساختہ قرآنی معاشرہ یا قرآنی نظام اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی اسف دینا کا کوئی علم علم نبوی سے متخارض او متصادم نہیں ہوکستا بلکہ اگر آپ ﷺ کا ارشاد قرآن کے کسی اجمال کی تفصیل ہو یا کسی حکم کی تشریح اور وضاحت ہو تو آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ قرآن کے اجمال میں قاضی ناطق ہوگا۔

پہلا دور

اسی اصل کی بنا پر زمانہ نبوت ہی میں آپ ﷺ کے ارشادات کی طرف صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے توجہ مبذول کروائی۔ کاروباری لوگ نوبت نبوبت ان دروس اسباب میں شامل ہوتے دروس کے حلقوں میں بیٹھتے احادیث لکھتے املا کی مجالس منعقد ہوتیں۔ احادیث کا سماع اور ضبط ہوتا۔ (مجمع الزوائد للحافظ الہیثمی ص 1 ض 1) فارغ البال حضرات پورا وقت آپ ﷺ کی خدمت میں گزار دیتے۔ احادیث لکھتے یاد کرتے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب صادقہ اسی دور کی کتاب ہے۔ جو پوری کی پوری موطا او الجامع الصحیح للامام محمد بن اسماعیل البخاری میں آگئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب 1 حیدر آباد

1۔ صحیفہ ہمام بن منبہ عن ابی ہریرہ کی احادیث حرف بحرف و سند احمد بن حنبل میں موجود ہے۔

دکن میں اب چھپی ہے۔ اور عجیب یہ ہے کہ اس نسخہ میں اور ان احادیث میں جو محدثین نے اپنی کتابوں میں ضبط فرمائی ہیں کوئی فرق نہیں۔ یعنی زمانہ نبوت میں جو کچھ لکھا گیا تھا۔ تیسری او چوتھی صدی تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی وہ بالکل محفوظ تھا۔

مرکزملت

اگر کوئی تجویزان حضرات کے ذہن میں ہوتی تو حدیث کی جمع وتدوین کی ضرورت نہ وہوتی بلکہ سارے سیاہ وسفید پر مرکزملت کا قبضہ ہوا کیونکہ وہ مختار ہے جب چاہیے اسادی اور بنیادی مسائل کو بدل دے نماز روزہ حج ذکواۃ تمام بنیادی مسائل اور ااارکان میں کمی کرے یا اسے بالکل اسے منسوخ قرار دے دے۔ پھر سچ تو یہ ہے کہ قرآن کی بھی چنداں جرورت نہیں رہتی۔ پرویز صاحب کی تفسیر سنیے۔ نبی اکرم ﷺ دورخلافت راشدہ میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے مفہوم مرکزملت کے فیصلوں کی اطاعت تھا اور ربس (مقام حدیث ص65 ج1) زمانہ نبوت اور خلافت راشدہ تک مرکزملت کے مجہول نظریہ کا کوئی نشان نہ تھا اس لئے احادیث کے جمع وحفظ اور لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

دوسرا دور

قرآن عزیز کی تفسیر اور احادیث کی عملی تشریحات کے لئے صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کے فتوے یعنی موقوف روایات اور ترسیل کو بھی جمع کیا گیا موگا امام مالک اور مصنف ابن ابی شیبہ کے انداز کی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ مگران موقوفات کو کبھی حدیث کا ہمسایہ نہیں سمجھا گیا انہیں شخصی آراء کی حیثیت گی گئی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے نحن رجال وھم رجال فرما کر موقوف روایات کی قیمت کو واضح کر دیا۔ امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے۔ کیف اتبع رجالا لو عاصر تھم لجاد لتھمیں ان لوگوں کی اتباع کیسے کروں۔ اگر میں اس وقت موجود ہوتا۔ تو ان سے بحث کرتا اس مواد سے صرف اس دور کا انداز فکر معلوم ہوتا ہے۔ طریقہ استدلال کا پتہ چلتا ہے۔ آج بھی موقوفات اور علماء کے فتوؤں سے اسی حد تک استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

تیسرا دور

اس دور میں حدیث کی تمام اقسام صحیح حسن ضعیف مرسل کو جمع کر دیا۔ اور تحقیق کے لئے طالب علم کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ جسے مستند سمجھے اس سے استدلال کرے جو تحقیق کے خلاف ہو اسے نظر انداز کر دے۔ سیوطی۔ دیلمی۔ ابن عدی۔ طبرانی۔ وغیرہ نے اور بھی اندھیر کر دیا کہ موضوع اور مختلف زخائر کو جمع کر دیا۔ بعض کتابوں میں ان پر اجمال کلام کا بھی احساس نہیں فرمایا اس س اتنا فائدہ ہوا کہ وضاع بھی مل گئ اور ان کے کرتوت سے بھی آگاہی ہوگئی چور بھی ملا وری بھی برآمد ہوگئی۔ لیکن یہ فائدہ اہل علم اور رجال سے متعارف لوگوں کو ہوا عوام کے لئے یہ قطعا غیر مفید ثابت ہوا بریلوی اور شیعہ حضرات کا سارا کاروبار اسی عظیم ذخیرہ سے چلتا رہا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ

سیوطی تو بہت بعد کے ہیں۔ امام بخاری سے پہلے جرح تنقید کا رواج آئمہ حدیث میں موجود تھا۔ امام بخاری خود آئمۃ جرح تعدیل میں سے ہیں۔ اپنے استاد اسحاق بن راہویہ کے ارشاد کے مطابق امام بخاری کی توجہ اس طرف ہوئی۔ انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ چند شرائط کے مطابق ایک مستند ذخیرہ کا ضعاف اور مراسیلسے الگ کر دیا جائے عمل کرنے والوں کو اسی میں سہولت ہوگی امام نے یہ امام نے یہ مجموعہ جامعہ الصحیح سولہ سال میں مرتب فرمایا۔ جہاں تک انسانی مساعی کا تعلق ہ انسانی حدود کے اندر یہ کوشش بے حد کامیاب ہے اسی محنت کی بدولت امام کو (جبل الحفظ اور امام الدنیا) کا خطاب دیا گیا۔ ایام تصنیف سے صحیح بخاری علمائے فن کی بحث و نظر کا تختہ مشق رہی موفق مخالف دونوں نے صدیوں اس پر طبع آزمائی کی کسی نے تنقید واادستدراک کی پھاج میں پھنکا کسی نے حمایت کی اور ان جرحوں کا جواب دیا۔ ان تمام مراحل کے بعد اسے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہا گیا۔ نقاد حضرات میں عقل پرست بھی تھے۔ اور حفاظ بھی محدث بھی تھے۔ اور صوفی بھی اس میں اکاذیب کی احادیث بھی تھیں۔ اور موسیٰؑ کے تھپڑ کا قصہ بھی تھا۔ بقول امام ابن قتیبہ دینوری بعض اہل علم نے احادیث سے استدلال کیا ور بوقت ضرورت کذب وترریض کی اجازت کا فتاوی دیا اس وقت کے بدعت نواز سنت کی سنت کی مخالفت کے باوجود اس طرح بدزبانی نہ کرسکے۔ جو ادارہ طلوع اسلام او رمنکرین حدیث کا طرہ ایتاز ہورہی ہے۔ علم و جہل میں یہی فرق ہے۔ (ملاحظہ۔ ہرمقام حدیث ص61 ج1) حدیث پہ اعتراضات مختلف ادوار میں ملاحظہ

فرمایئں۔ آپ کو تعجب ہوگا۔ کہ ایک عقل پرست اسے خلاف عقل کہتا ہے۔ دوسرا اسے اقتضار وقت ک مطابق سمجھ کر استدالال کرتا ہے کہ ایک صاحب بعض احادیث کو قرآن کے خلاف سمجھتے ہیں دوسرے ان کو ہم پلا اور ہم پشہ صحیح اور عقل کے بالکل مطابق سمجھتے رہے۔ ان علم و عقل کے یتامیٰ اور مساکین کا ہمیشہ یہی حال رہا اپنی بے علمیوں اور بد عملیوں کو چھپانے کےلئے سنت پر اعتراضات کرڈالتے ہیں لیکن اتنا نہیں سوچتے کے تمارے علم و عقل کو معیار کی سند کس نے دی ہے۔ غرض امام بخاری نےاپنے وقت کے تمام معیاروں کو سامنے رکھ کر صحیح احادیث کا انتخاب فرمایا۔ حدیثی۔ فقہی۔ عقلی۔ قرآنی تمام معیاری چیزیں امام کے سامنے ہیں ان معیاری مشروط کو سامنے رکھ کر امام نے قریب چار ہزار حدیث بحذف مکررات انتخاب فرمائی۔ باقی کو مستند نہیں فرمایا۔ بلک ان کا تذکرہ باقی کتب میں فرمایا۔ جس میں یہ کڑی شرائط نہیں ہیں۔ چنانچہ اس دور کے مجدد حضرات شاہ ولی اللہؒ نے جنہوں نے ہندوستان کے جہلستان میں کتاب وسنت کو رواج دیا۔ قرآن کی تعلیمات سے لوگوں کو آشنا فرمایا۔ تقلید وجمود کے ظلمستان میں تحقیق کے چراغ جلائے۔ اور بدعت کے اندھیروں کو پارہ کرکے رکھ دیا۔ صحیحین کے متعلق فرماتے ہیں۔

اما الصحیحان فقد اتفقالمحدثونعلی بان ہذا جمیع ما فیہما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانہما متواتران الیمصنفیہما وانہکل من نکبندي امرہما فہومبتداع متبع غیر سبیل المومنین وان شئت الحق الصراح فقسہما بکتاب ابن شیبۃ وکتاب الطحاوي ومسند الخوارزمی تجدبینہا وبینہا بعد المشرقین

(حجۃ اللہ البالغہ ص106ج1) صحیح بخاری کے متعلق محدثین متفق ہیں۔ ان میں متصل اور مرفوع احادیث قطعاً صحیح اوران کی اسناد ان کے مصنفین تک متواتر ہیں۔ جو ان میں نکتہ چینی کرے۔ اوران کے مقام کو حقیر سمجھے۔ وہ بدعتی ہے اوراہل ایمان کی راہ سے اس کی راہ جدا ہے اگر آپ کچھ کی مزید وضاحت چاہیں۔ تو مصنف ابن ابی شیبہ معانی الآثار طحاوی اور سند خوازمی سے ان کا مقابلہ کریں۔ آپ ان میں زمین آسمان کا فرق پایئں گے۔ اور شاہ صاحب کی اس جچی تلی رائے پر لاکھوں منکرین حدیث قربان کئے جاسکتے ہیں۔ یہ بے چارے علم و بصیرت دونوں سے محروم ہیں۔ تنک بندی اور ہفوات کے ماہر ہیں۔ ان کے ہاں اسی کا نام علم وبصیرت ہے اس کا نام تجدید و اجتہاد اب شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی رائے پر غور فرمایئے۔

ولہذا کان اکثر متون الصحیحین مما یعلم علماء الحدیث علما قطعیا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالہتارۃ لتواترہ عن ہموتارۃ لتلقی الامۃ لہ بالقبول

(فتاویٰ ابن تیمیہؒ ص409ج1)صفات رواۃ کی بنا پر صحیحین کے اکثر متون کے متعلق قطعی علم ہے۔ کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ یہ قطعیت کبھ تواتر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کبھی امت کی قبولیت کی وجہ سے الخ بلکہ اگر خبر واحد کو بھی امت کی طرف سے قبول عام حاصل ہوجائے۔ تو آئمہ اربعہ اوراشاعرہ کے نزدیک موجب علم ہوگی۔ الخ (ابن تیمیہ حوالہ مذکورہ)

مقالہ

پیش نظر مقالہ میں صحیح بخاری کے خصائص پر سیر حاصل بحث فرمائی گئی ہے۔ منکرین حدیث کا اصل یہ ہے کہ فرامین نبوی کو شرعاً حجت ہی نہیں مانتے۔ مولوی اسلم اور جیراجپوری اور تمنا عمادی وغیرہ عموماً بحث پھیلانے کےلئے فنی مباحث کولے آتے ہیں۔ یہ حضرات اپنی عقلوں کواحادیث کی تنقید کےلئے معیار سمجھتے ہیں۔ تفسیر قرآن کےلئے ان کے ف ہاں معیار صحہ وہ ہفوات ہیں جو ان حضرات کے قلم سے ٹپک جایئں مولانا علمی اور اصلاحی حیثیت سے اس مقالہ میں کافی حد تک کایاب ہیں چونکہ اہل قرآن بھی صحیح بخاری پر عموماً اعتراض کرتے ہیں۔ مولانا نے ان شبہات کو حسب امکان ذائل کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

ایک معیار

منکریں حدیث کہا کرتے ہیں۔ کہ صداقت کا سب سے بڑا معیار واقعات ہیں اگر کوئی چیز واقعات کے مطابق ہے۔ تو اس سے بڑی کوئی سند نہیں اگر یہ معیار درست ہے تو حدیث کی صدات کےلئے اس روشنی میں غور کرنا چاہیے۔ حدیث میں آپ ﷺ کی دو پشگویاں ہیں۔ اہل قرآن کے متعلق منقول ہیں۔ جو پوری کی پوری درست ہوئیں ہیں۔ ابو رافع مقدام بن

معد مکرب عرباض ساریہ کی یہ حدیث مسند احمد ابو داؤد ترمذی اور ابن ماجہ بیہقی دارمی وغیرہ کتب وحدیث میں مروی ہے۔

لاالفین احدکم متکیا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری فما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لاادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ

(مشکواۃ ص29 ج1) تم میں سے کوئی آدمی اپنی چارپائی پر وزاز ہوگا۔ جب اسے میرا حکم ملے گا۔ جس چیز سے میں نے روکا ہے۔ اور اسے اس کا علم ہوگا اور کہے گا۔ ہم نہیں جانتے ہم صرف قرآن کی اطاعت کریں گے۔ اور ہندستان میں انکار حدیث سب سے پہلے عبد اللہ چکڑالوی نے کیا۔ حدیث میں ان کا حلیہ بتایا گیا ہے۔ ان کی ٹانگیں بے کار ہوگئیں۔ چل پھر نہیں سکتے تھے۔ تمام دن چارپائی پر بیٹھے رہتے تھے۔ یہ عارضہ ان کو زہر کھانے کی وجہ سے ہوا تھا۔ اہل قرآن حضرات غور فرمایئں۔ حدیث واقعات کے کس قدر مطابق ہے اور اول المنکرین کا حلیہ کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔ اسے تو واقعاتی شہادت کے طور پر ضرور قبول کرنا چاہیے۔ دوسری حدیث ہمارے شہر گوجرانوالہ کے متعلق ہے۔ ہم شاہد ہیں ہم نے اس حدیث کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ ابن وضاح حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قیامت کی علامات کا ذکر فرماتے ہوئے دو فرقون کا ذکر کرتے ہیں۔

حتی تبقی فرقتان من فرق کثیرۃ تقول احد ہما ما بال الصلوۃ الخمسلقد ضل من کان قبلنا انما قال اللہ اقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل لا تصلون الاثلاثا وتقول الاخری انما المومنون باللہ بایمان الملئکۃ ما فیہا کافر ولا منافق حق علی اللہ ان یحشر ہما مع الرجال

(الاعتصام للشاطبی ج1 ص90) بہت سے فرقوں میں سے صرف دو فرقے باقی رہ جایئں گے۔ ایک کا خیال ہوگا کہ نمازیں صرف تین ہیں۔ پانچ نہیں۔ پہلے والے لوگ گمراہ تھے۔ قرآن میں دن ک دونوں طرفف اور رات کے بعضج حصوں میں نماز پڑھنے کا ذکر آیا ہے دوسرے گروہ کا خیال ہوگا کہ تمام مومن ایمان یمفرشتوں کی طرح ہیں کوئی کافر یا منافق نہیں اللہ تعالیٰ ان کا حشر رجال کے ساتھ فرمایئں گے۔

مولوی عبد اللہ چکڑالوی پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان کے شاگرد رشید مستری محمد رمضان گوجرانوالہ کہتے تھے کہ نمازیں صرف تین ہیں اس سے زیادہ پڑھنے والا گمراہ ہے۔ ان کے بیان وعمل کی یہاں کی بہت جماعت چشم وید شاہد ہے واقعات کی شہادت کی بنا کم ازکم یہ دو حدیثیں تو یقینا درست ہیں۔ اور سچی ہیں۔ اگر یہ حدیث درست ہے اور واقعات سے توافق واقعی صداقت کا معیار ہے تو اہل قرآن کی تحریک کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ میرے محترم دوست مولانا عبد الروئوف جھنڈا نگری نے سنت کی نصرگ وحماعت یمقلم اٹھایا ے ہ اور بڑی چھان پھٹک کر اس کے لئے معاد فراہم کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر دے عامۃ المسلمین کو توفیق دے کہ اس سے استفادہ فرما سکیں۔ مخالفین سنت کو توفیق ملے کہ وہ اپنے انجام پر غور کریں۔ اور ان نتائج کو سوچیں جو ان کی تحریک سے اسلام اور مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے ان کی اس تحریک کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس سے سلف آئمہ کا ایمان اور دانشمندی مجروح ہوتی ہے۔ کہ انہوں نے سینکڑوں سال ایک ایسے فن پر محنت کی جو دراصل شرعا کوئی دینی قیمت نہیں رکھتا تھا۔ یہ لوگ اسے ایمان اوردین سمجھتے رہے۔ نیز اس تحریک کا انحصار محض سلبی اقدار پر ہے۔ انکار حدیث میں کوئی ایجابی حقیقت موجود نہیں۔ (محمد اسماعیل مرحوم گوجرانوالہ)

نوٹ

مولانا سلفی مرحوم کا یہ مضمون نصرۃ الباری فی بیان صحت البخاری سے اخذ کیا گیا ہے۔ جو مولانا عبد الروف رحمانی جھنڈا نگری کی تالیف ہے۔ (سعیدی)

انگریزی تعلیم کی بدولت مذہبی آذادی کی یہاں تک نوبت پہنچی ہے۔ کہ جو جس کے جی میں آوے کہے۔ یا کرے کوئی مواخذہ نہیں۔ قرآن مجید پر اعتراض کرے۔ حدیث رسول ﷺ کا انکار کرے۔ الغرض اسلام کا مدعی ہو کر خود اسلام ہی کی بیخ کنی کی کوشش کرے لوگ اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں حال ہی میں اپریل 1940ء سمہ کے پرچہ رسالہ طلوع اسلام دہلی میں جو درحقیقت غروب اسلام ہے چوہدری غلام احمد صاحب پرویز نے شخصیت پرستی کے پردہ میں بظاہر تو نصف اسلام (حدیث رسول ﷺ) کا انکار کیا ہے۔ مگر حقیقت میں بالکل اسلام (کتاب وسنت دونوں) ہی کی بیخ کنی کی کوشش کی ہے۔

ان کی ساری تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث رسول ﷺ دین اسلام سے خارج ہے۔ لہذا کتب حدیث یک لخت قابل عمل واعتقاد نہیں۔ دلیل یہ کہ جیسے قرآن قطعی اور محفوظ ہے

لسیے ہی حدیث قطعی و محفوظ نہیں۔ اس لئے کہ احادیث کو رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا نہیں ضبط نہیں کرایا۔ اگر کسی کچھ لکھ بھی لیا تو حضور ﷺ نے حکم نہیں دیا۔ پھر وہ الفاظ بھی لوگوں کا اپنا خیال یا فہم ہے نیز بہت سے بہت ثبوت ہیں۔ وجوب نہیں۔ پھر وہ نقل بالمعنیٰ ہے۔ حضور ﷺ کے الفاظ نہیں۔ نقل در نقل بہت سے تغیرات ہوئے۔ روایات کل یا اکثر یاداشت پر تھیں لکھی ہوئی نہ تھیں۔ سو سال کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا۔ کئی سو سال بعد قوانین روایۃ مرتب ہوئے۔ جرح و تعدیل کے دفتر کھلے۔ پچھلوں نے صدیوں بعد پہلوں پر جرح ک یا ان کی توثیق لہذا اس کا کیا اعتبار اور اگر توثیق کا قعتطار بھی کا جائے تو یہ کیا ضرور ہے کہ ثقہ نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہو۔ بھول چوک و ہم و خطا کا احتمال ہے۔ پھ سب کے سب فقیہہ و صاحب فہم سلیم بھی نہ تھے جس نے جو سمجھا لکھ لیا اب ان کی روایات کا اعتبار شخصیت پرستی ہے جو باطل ہے اگر احادیث جزو دین ہوتیں تو قرآن کی طرح رسول اللہ ﷺ ان کو ضبط کراتے ان کی تصدیق کرتے اور پھر یہ سلسلہ نا ایندم جاری رہتا۔ اور ایسا ہے نہیں لہذا کتب احادیث کا کوئی اعتبار نہیں محض ایک تاریخی حیثیت ہے کہ ہماری تنقید کے بعد قرآن کے مطابق ہے تو صحیح ہے ورنہ غلط دین وہی ہے جو قطعی ہو سو قرآن قطعی ہے اور احادیث ظنی قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ احادیث کا ذمہ نہ اللہ نے لیا نہ رسول اللہ ﷺ نے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے احادیث کے لکھنے سے منع کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منع وارد ہے۔ وا بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے سوا اور (احادیث) کچھ نہیں چھوڑا اور سنیے! رواۃ میں ہزاروں منافق کذاب بھی تھے۔ جو بظاہر ثقہ اور باطن غیر ثقہ لہذا احادیث قابل وثوق نہیں۔

یہ ان کی ساری تحریر کا خلاصہ۔ ضمناً اور باتیں بھی نقص یا طنز کے طور پر لکھ گئے جو محض ابلہ فریبی اور خلاف واقع ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ احقاق حق کے بعد ابطال باطل میں ان کا زکر بھی آجائے گا۔

احقاق حق

حضرات! حدیث رسول اللہ ﷺ کا انکار کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل ایک نئی جماعت اٹھی۔ اس نے بھی حدیث کا انکار کیا۔ اور

کلمۃ اریدہا الباطلیعنیان الحکم الا للہصیح ہے۔ مگر اس سے ان کی غرض باطل ہے۔ یعن انکار حدیث مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی مقامات میں رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کے اتباع کی تاکید کی ہے تو انکار حدیث باطل ہے۔ ذیل میں چند آیاتیں لکھی جاتی ہیں۔ جن سے ثابت ہے کہ احادیث رسول ﷺ جزو دین ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہونا فرض ہے۔ اس کے سوا ایمان حلب ہوجائے گا۔

1۔ قُل إِن كُنتُم تُحِبّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعونى يُحبِبكُمُ اللَّهُ وَيَغفِر لَكُم ذُنوبَكُم ۗ وَاللَّهُ غَفورٌ رَحيمٌ ٣١

ترجمہ۔ کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تم سے اللہ محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو (یعنی میرا) حکم مانو پھر اگر وہ پھر جایئں (تو وہ کافر ہیں) (پارہ 3 ع 11) سو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا آپ ﷺ کی پیروی آپ ﷺ کے قولو فعل دونوں میں ہے۔

2۔ يٰأَيُّهَا الَّذينَ ءامَنوا أَطيعُوا اللَّهَ وَأَطيعُوا الرَّسولَ وَأُولِى الأَمرِ مِنكُم ۖ فَإِن تَنٰزَعتُم فى شَيءٍ فَرُدّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسولِ إِن كُنتُم تُؤمِنونَ بِاللَّهِ وَاليَومِ الءاخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيرٌ وَأَحسَنُ تَأويلًا ٥٩

ترجمہ۔ اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول اور مسلم حکام کا کہنا مانو پھر اگر تمہارا آپس میں اگر کسی امر میں اختلاف ہوجائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پھیر دو۔ (یعنی ان کے کلام سے فیصلہ کرو) اگر تم اللہ اور پچھلے دن یعنی قیامت پر ایمان لائے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔ (پ 5 ع 5)

3۔ وَإِذا قيلَ لَهُم تَعالَوا إِلىٰ ما أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسولِ رَأَيتَ المُنٰفِقينَ يَصُدّونَ عَنكَ صُدودًا ٦١

ترجمہ۔ اور جب ان کو اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے یعنی قرآن مجید اور اس کے رسول ﷺ (کے حکم) کی طرف بلایا جاتا ہے۔ تو دیکھتا ہے کہ منافق تجھ سے بالکل پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ (پ5ع6)

4۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا

ترجمہ۔ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کا کہا مانا جائے۔ (پ5ع6)

5۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ٣٦

ترجمہ۔ سو تیرے رب کی قسم وہ ایماندار نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں تم کو حاکم بنا کر تمہارا کہا نا مانیں۔ پھر یہ تیرے فیصلے سے دل تنگ نہ ہوں۔ بلکہ خوشی سے مان لیں۔ (پ5ع6)

6۔ مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ

ترجمہ۔ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر میں فیصلہ کر دیں۔ تو کسی مومن مرد یا عورت کو جائز نہیں کہ ان کے حکم کے خلاف ان کو کچھ اختیار ہو اور جو اس کے برخلاف کرے اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلا ہوا گمراہ ہوگیا۔ (پ22ع1)

7۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ٧

ترجمہ۔ اے مسلمانو! جو (مال یا حکم) تم کو اللہ کا رسول دے اُسے لے لو اور تسلیم کرو اور جس امر سے منع کرے۔ اس سے باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔ (پ28ع3)

8۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ٢

ترجمہ۔ وہ اللہ ہے جس نے ان پڑھو عربوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو ان پر اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ یعنی دلائل توحید سے وعظ و نصیحت کرتا ہے۔ اور اپنے اثر صحبت سے ان سے عمل کرا کر رزائل سے ان کو پاک کرتا ہے۔ اور قرآن مجید اور حکمت کی انکو تعلیم دیتا ہے۔ یعنی قرآن مجید کے الفاظ بھی ان کو یاد کراتا ہے۔ اور اس کے معنی و حکم بھی ان کو بتاتا ہے۔

9۔ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

ترجمہ۔ ہم نے آپ پر اس لئے قرآن مجید نازل کیا کہ آپ اس کی تفسیر کر کے ان کو اس کا مطلب سمجھائیں۔ (پ14ع11)

10۔ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ٢١

ترجمہ۔ لوگو! تمہارے لیے رسول اللہ کی پیروی بہت اچھی ہے اس کے لئے جو اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہے۔ اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔ (پ21ع18)

تلک عشرۃ کاملۃ

آیات مذکورہ بالا سے روز روشن کی طرحف واضح ہوگیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں آپ ﷺ کا قول وفعل دونوں داخل ہیں۔ جن کا ماننا اوران پر عمل پیرا ہونا امت پر فرض عین ہے۔ اوران پر دونوں میں سے ہر ایک کا انکار کفر۔

دیکھئے! آیۃ نمبر 1 میں آپ ﷺ کی اتباع کے بعد حکم رسول کے ماننے کا حکم ہے اور انکار کفر اور آیۃ نمبر 2 میں بھی حکم رسول کے ماننے کا حکم ہے۔ ورنہ ایمان سلب ہوجائے گا۔ ان کنتم تومنون میں غور کرو۔ اور آیۃ نمبر 3 میں الی الرسول سے حکم رسول مرا ہے۔ اوراس سے اعراض وانکار کفر ونفاق۔ آیۃ نمبر 4 میں تو رسول کے بھیجنے کی غایت ہی ان کے حکم ماننے کو بتایا ہے۔ آیۃ نمبر 5 میں رسول ﷺ کے فیصلہ کو خوشی سے ماننے کولازم فرمایا ہے۔ اور جو نہ مانے تو اس کا ایمان بلکل سلب اور پکا کافر۔ آیۃ نمبر 6 میں بھی فرمایا کہ رسول ﷺ کے حکم کو اور فیصلہ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرح ماننا فرض ہے۔ کسی کو اس کے خلاف کا اختیار نہیں۔ ورنہ وہ گمراہ ہوکر کافر ہوجائے گا۔ آیۃ نمبر 7 میں بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اتباع لازم فرمائی۔ ورنہ جہنم کا عذاب ہے۔

آیت نمبر 8 میں کہ رسول اپنی امت کو قرآن مجید کے الفاظ بھی پڑھاتا ہے۔ اور یاد کراتا ہے۔ اوراس کے معنی اور حکم بھی جاتتا ہے۔ سو جیسے کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے الفاظ کی تحریف کفر ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے معنی وحکم کو رد کرنا بھی صریح کفر ہے۔ اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے وہ معنی وحکم سوائے حدیث کے ہوہی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ الفاظ قرآن مجید میں توسارا قرآں آگیاف پھر حکمت ومعنی کیا ہوئے۔ ظاہر ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ کے سوا ہوئے یعنی اس کی تفسیر وشرح قوبل سے ہویا فعل سے یا تقریر سے اور یہ بدیہی امر ہے کہ قرآن کے ہر ہر لفظ کی شرح عمل سے نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ اس میں جیسے احاکم ہیں۔ قصص وامثال جو عقائد وغیرہ بھی ہیں جو عمک کرکے نہیں دکھائے جاسکتے ان کی زبانی شرح ہوگیف نیز مقدمات کے فیصلے بلاقول رسول اللہ ﷺ کیسے ہوسکتے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ کے اقوال تفسیر قرآن یا فیصلہ جات و احکام وغیرہ قرآنی الفاظ کے سو اپنے الفاظ میں ہوئے جن کا ماننا امت پر فرض ہے۔ اور آپ ﷺ کے انھیں الفاظ کا نام حدیث ہے۔ جن کا انکار کفر ہے۔ اور جیسے قرآن مجید محفوظ ہے۔ ایسے ہی مطلق حدیث نبوی جو قرآن کی تفسیر وشرح ہے وہ بھی محفوظ ہے۔ عہد رسالت سے لے کر ابھی تک امت مسلمہ کا اس پر عل تواتر سے ثابت ہے اگر ایسا نہ ہوبتا تو صحیح طریق سے قرآن پر عمل کیسے ہوسکتا تھا۔ اس لئے کہ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے موافق معنی کرتا ہے جو باعث اختلاف ہے پھر اس سے قرآن پر عمل کرنا ہی متروک ہو جائے گا۔ پھر تو بعد وفات رسول ﷺ دین ہی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں پس ثابت ہوا کہ جیسے قرآن مجید محفوظ ہے۔ ایسے ہی مطلق حدیث نبوی بھی محفوظ ہے الحمد للہ

آیت نمبر 9 میں رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید کا مفسر ٹھرایا گیا ہے۔ اور اوپر ثابت کیا جاچکا ہے۔ کہ سارے قرآن کی تفسیر صرف عمل سے ہی نہیں ہوسکتی۔ ہاں بعض کی ہوسکتی ہے۔ اور بعض کی زبان اپنے الفاظ سے شرح وتفسیر ہوگی اس کا نام حدیث ہے۔

آیت نمبر 10 میں اسوہ حسنہ آپ ﷺ کی پیروی کا زکر پیشتر ہوچکا ہے۔ کہ اس قول میں اور فعل میں دونوں داخل ہیں۔ پس حدیث کا ماننا اوراس پر عمل کرنا عین قرآن مجید پر عمل کرنا ہے۔ اوراس کا انکار قرآن مجید کا انکار ہے جو صریح کفر ہے۔

ابطال باطل

منکرین حدیث کی تحریر کا جواب یہ ہے اس نے حدیث کی حیثیت محض تاریخی بتائی ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کا ماننا لازم نہیں نہ وہ حجت ہے چاہے کوئی مانے یا تنقید سے رد کردے اوراس کے اعتراضوں کا مدر کا تاریخ پر ہے جس کا ماننا لزم نہیں اور ہی وہ حجت ہے اور اگر کہیں کسی روایت سے اس نے استدلال کیا ہے تو وہ بھی اس کے نزدیک مثل تاریخ ہے۔ لہذا کل کا جواب یہ ہے کہ یہ رآن مجید نہیں جو ج قطعی ہو یہ محض ظنی بلکہ بے ثبوت ہے۔ لہذا باطل ہے اب سنئے۔!

مفصل جواب۔

احقاق حق میں بیان کیا جاچکا ہے۔ کہ قرآن مجید کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی اتباع آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ یعنی آپ ﷺ کا قول وفعل ہر دو واجب التصدیق اور واجب العمل

ہیں۔ رہا یہ امر کہ اب وہ آپ ﷺ قول وفعل محفوظ ہے یا نہیں۔ اور وہ قطعی ہے یا نہ سو واضح ہو کہ جو امر تواتر قولی یا فعلی سے ف ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے۔ یعنی ہر زمانہ و طبقہ میں بالاتصال اسے اتنے لوگ بیان کریں یا عمل کریں۔ کہ عقلاًاُن کا کذب پر اتفاق محال ہو اور اس کا منتہا حس و مشاہدہ ہو یہ جماعت کتنی بڑی ہو کوئی تعین شرط نہیں جس سے عقول سلیمہ کو علم ضروری حاصل ہوجائے۔ یعنی مجبوراًان کو ماننا پڑ جائے۔ اسی طرح جماعت سے بالاتصال جو امر ثابت ہو مگر ہو جماعت تواتر والوں سے کم اور قریب تواتر کے ہو وہ امر مشہور ہے اور جو امر اکے دکے ذریعہ ثابت ہو اور وہ لوگ معتبر صادق ضابطہ ہوں وہ خبر واحد ہے اور یہ پچھلے دونوں قسم اگرچہ کلتہ ضروری نہیں مگر بوجہ قرائن ان سے بھی علم یقینی نظری حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ ہر دو بحکم قرآن مجید صحیح و واجب العمل ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ

ترجمہ۔ لوگوں (معاملات میں)اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لیا کرو۔ اے ایمان والو!اگر کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔ (پ26ع12)

دو گواہوں کی شہادت سے فیصلہ بحکم قرآن مجید لازم ہے۔ حالانکہ ان کے سہو و نسیان خطا غلطی سب کا احتمال ہے دوسری آیۃ سے ثابت ہے۔ کہ ایک مخبر یا راوی اگر فاسق ہے تو بعد تحقیق عمل لازم ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ عادل و صادق ہے۔ تو بلاتردد اس کے قول پر عمل ثابت ہے۔ پس حدیث نبوی کے بھی یہی تین درجے ہیں۔ متواتر۔ مشہور۔ خبر واحد۔ سو قسم اول تو مثل قرآن مجید کے قطعی ہے جس کا علم ضروری ہے۔ اور قسم دوم سوم اگرچہ متواتر کی طرح قطعی ضروری نہیں۔ مگر بوجہ قرائن مرجحہ ان سے بھی علم یقینی نظری حاصل ہوتا ہے۔ اور بحکم مذکورہ بالا دو آیتوں کے وہ واجب العمل ہیں۔ جن کا انکار حکم قرآنی کا انکار ہے۔ لہذا حدیث نبوی سے انکار کرنے کےلئے یہ عزر کرنا کہ وہ قرآن کی طرح محفوظ نہیں بالکل باطل ہے۔ متواتر۔ مشہور۔ وخبر واحد۔ صحیح محتف بالقرآن مرجحہ سب مفید علم یقینی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ متواتر کا علم ضروری ہے۔ جو ہر کس وناکس کو حاصل ہوتا ہے۔ اور مجبوراًماننا پڑتا ہے۔ اور مشہور اور خبر واحد صحیح مذکور کا علم یقینی نظری ہے جو نظر و استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کو ہوتا ہے۔ جو اس کے اہل ہوں۔ نا اہلوں کو چونکہ وہ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ انکار کریں تو ان کا اپنا قصور ہے۔

گر نہ بنید بروز شپرہ چشم چشمہ آفتاب راچہ گناہ

اور عقل و عرف کے لحاظ سے بھی خبر مشہور وخبر واحد صحیح کا اعتبار ہے اور دینی و دنیوی امور قرض و دام نکاح وطلاق۔ بیع و شراء روئت ہلال۔ رضاعت۔ نسب وغیرہ میں انھیں پر مدار ہے۔ کیا کوئی منکر صاحب اپنا نسب باپ دادا وغیرہ کا تواتر سے ثابت کر سکتے ہیں۔ ہر گز نہیں پھر کیا اس سے انکار کر کے مجہول النسب بنیں گے۔ اور یہ سلسلہ نسب تو صرف حسن ظن پر محمول ہو ہے۔ ورنہ جو قواعد جرح وتعدیل کے ہیں۔ ان کی رو سے اور مشکل ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر خبر واحد کا مطلقاًانکار کیا جائے گا۔ تو علاوہ دنیوی امور کے بہت بڑا حصہ دینی امور کا بھی ترک کرنا پڑے گا۔ اور قرآنی حکم کا انکار لازم ہو گا۔ جو سراسر کفر ہے۔ اللہ ایسے دن سے محفوظ رکھے۔ جو بالکل گمراہی و ضلالت ہے۔

اب رہا احادیث نبویہ کی حفاظت کا معاملہ سو واضح ہو کہ محدثین کرام نے جو قوانین روایۃ قرآن مجید سے استنباط کر کے مقرر کیے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی جو روایت کرے اس کی پوری سوانح عمری معلوم کر کے کہ وہ کس کا بیٹا تھا۔ کیا نام تھا۔ کیا عمر تھی۔ کب اور کس سے علم حاصل کیا۔ کہاں کہاں سفر کیا عدالت صداقت ضبط روایۃ دیانت وغیرہ سب کا جائزہ لے کر روایت کرتے۔ پھر یہ کہ اس کو وہم یا اختلاط یا سوء حفظ وغیرہ تو نہ تھا۔ اور یہ کہ اگر وہم یا اختلاط ہوا تو کس زمانہ میں ہوا۔ دائمی تھا یا عارضی پھر روایۃ کس زمانہ میں کی قبل اختلاط یا بعد پھر اگر اس کے مذہب میں کچھ کلام تھا۔ تو روایت میں کیسا تھا۔ اور اس کی مختلف روایتوں ذریعے تحقیق کرتے اور جانچتے۔ پھر یہ کہ روایت اس کے مذہب کے موافق ہے۔ یا مخالف وہ داعی الی المذہب ہے یا نہیں۔ اس کی روایت اور آئمہ حفاظ کے موافق ہے یا مخالف پھر یہ کہ اس کی روایت بطور احتجاج کے ہے یا بطور استشہاد واعتبار و تردید کے۔ اور وہ یہ کہ وہ مدلس تو نہ تھا۔ وغیرہ۔ وغیرہ پھر یہ کے روایت میں ارسال انقطاع اعظال وغیرہ تو نہیں نیز یہ روایت صریح نصوص قرآن و حدیث اور بداہتہ عقل کے مخالف تو نہیں کہ جس کی کوئی بالکل صحیح توجیہہ نہ ہوسکے۔

ان شروط قیود ورفع موانع کے بعد وہ حدیث پر حکم لگاتے ہیں کہ صحیح ہے یا ضعیف و موضوع وغیرہ۔ پھر ان کے بھی آگے درجے مقرر کیے ہیں۔ صحیح ولغیرہ ایسے ہی حسن کے پھر ضعیف اور شدید الضعف وغیرہ۔ پھر اس کے بعد بھی اور صحیح کے رجات مقررکئے ہیں خاص خاص سندوں کے لحاظ سے روایۃ میں اتفاق آئمہ کے لحاظ سے مثلاً امام بخاری و مسلم کا

کسی حدیث کی روایۃ پر اتفاق وغیرہ وغیرہ پھر بوجہ کثرت اسانید کے جو مختلف طریقوں سے آئمہ حدیث نے اپنی اپنی تالیفات میں روایت کی ہیں۔ان میں صدہا حدیثیں متواتر ہیں۔جو مثل قرآن کے قطعی ہیں۔اور ہزاروں مشہور اور اس سے بھی زیادہ اخبار احاد جو بلکل صحیح ہیں۔اور بحکم قرآن مجید واجب العمل ہیں۔جن پر علماء اسلام وامت محمدیہ کا ساڑے تیرہ سو برس سے اب تک عمل درآمد چلا آیا ہے۔اور یہی سبیل المومنین ہے جس کا خلاف سبیل المومنین و اسلام کا خلاف اور گمراہی ہے۔رہا نقل بالمعنی کا مسئلہ تو اول تو نقل بالمعنی قرآن مجید سے ثابت ہے۔

وَاِنَّهٗ لَفِىۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿١٩٦﴾ (پ19ع14)

اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى ﴿١٩﴾

(پ30 ع12) میں بتائے نقل بالمعنی ہے۔یا نہ کتب سابقہ تو سریانی و عبرانی وغیرہ میں تھیں۔اور قرآن عربی میں پھر یہ کہ اس میں فرعون وغیرہ کا کلام بھی منقول ہے۔اور بعضوں کی زبان بھی اور تھی۔اور نیز قرآنی فصاحت وبلاغت واعجاز بھی ان کے کلام میں نہ تھا۔نیز خود قرآن میں بعض قصص کو دھرایا گیا ہے۔اور الفاظ میں اختلاف ہے۔کہیں ایجاز ہے کہیں تفصیل ہے۔قصہ آدم میں کہیں اهبطوا ہے۔(سورۃ بقرہ پ1ع3) کہیں اهبطا ہے۔(سورۃ طٰہٰ پ16ع15)

حضرت موسیٰ کے قصہ کو مکرر سورتوں میں ملاحظہ فرمایئے۔الفاظ میں کتنا اختلاف ہے۔مگر اصل مضمون متحد ہے پس یہی صحت کی جان ہے۔اور یہی الفاظ حدیث میں ہے۔اور وہ بھی عالم باللغۃ سے سے ثابت ہے نہ غیر سے پھر جب مختلف طریوں سے ایک لفظ یا معنی ثابت ہے تو اس کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے ہر گز نہیں۔ورنہ جو جواب نقل قرآنی کا ہے وہی حدیث کا ہے پھر اگر کہیں کسی روایت میں تفرد بھی ہے تو اول تو خود محدثین نے اس میں کلام کیا ہے اور ادلہ سے اس کی تایئد لائے ہیں یا توقف کیا ہے وغیرہ وغیرہ مگر معترض نے اس کی دکی رعایت کی بنا پر تمام دفاتر احادیث کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔جو بالکل انصاف کے خلاف ہے۔پھر یہ غلط ہے کہ سب کی سب احادیث نقل بالمعنی ہیں۔نہیں نہیں ایسا ہر گز نہیں۔بعینہ الفاظ رسول ﷺ بھی ثابت ہیں۔اور متواتر بھی ہیں۔جن کا معترض کو علم نہیں۔مگر حدیث کے جاننے والوں کو علم ہے۔جس کے لئے کتب احادیث کا مطالعہ درکار ہے۔فتح الباری اور حجۃ البالغہ کو ہی دیکھ لیجئے۔ہاں یہ بھی سخت دلفریب مغالطہ ہے۔کہ ہر شخص نے ہر زمانے میں جو چاہا اپنے الفاظ میں جو سمجھ میں آیا نقل کر دیا یا لکھ لیا۔کلا و حاشا ایسا ہر گز نہیں ہوا۔یہ نقل بالمعنی صرف صدر اول صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین میں ہوا ہے۔جو رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور آپ ﷺ کے طرز انداز سے خوب واقف۔لغت کے ماہر و عالم تھے بہت نادر کہیں کہیں تابعین میں بھی پایا گیا۔پھر تو اس کی سخت بندش کی گئی۔اور الفاظ نبوی کو حتی الامکان ضبط کیا گیا۔کتب احادیث مدون ہوئیں۔ذرا کہیں بھی شبہ ہوا تو اس کو بھی بیان کر دیا۔پھر اس کو اوروں کی روایت سے مطابق کر کے اس کی صحت کی گئی۔جس سے شبہ دور ہو کر صحت یقینی ہو گئی۔مگر سچ ہے۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

ہاں تدوین کتب حدیث کے بارے میں جو معترض نے مغالطہ دیا ہے۔اس میں پہلے غور کرنا چاہیے کہ

الٓمّٓ ﴿١﴾ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ ۖ فِيۡهِ ۛۚ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَۙ ﴿٢﴾

وغیرہ آیات میں بے شک قرآن مجید کو لفظ کتاب سے زکر کیا گیا ہے۔مگر اس سے یہ لازم نہیں کہ اس آیت یا اور آیتوں کے نزول کے وقت سارا قرآن یکجا لکھا ہوا تھا۔نیز یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جو ترتیب قرآنی ہے۔کیا اس ترتیب سے نزول ہوا اور کیا سارا قرآن ایک دم نازل ہوا ہے۔یا 23 سال میں تدریجاً نازل ہوا ہے۔اور پھر ذالک کا اشارہ کس طرف ہے۔ماقبل کی طرف یا ما بعد کی طرف یا کسی اور کی طرف پھر جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا۔تو کس آیت سے ثابت ہے۔کہ اپنا سارا قرآن لکھوا کر یکجا جمع کرا کے امت کے ہاتھوں میں چھوڑا حدیثوں کو تو معترض پیش ہی نہیں کر سکتا۔کہ وہ اس کے نزدیک ظنی ہیں۔ورنہ ان میں تو ہے کہ وہ مختلف کاغذوں پتوں ٹھیکروں وغیرہ پر لکھا ہوا تھا۔کسی کے پاس تھوڑا کسی کے پاس زیادہ حصہ ہاں حفاظ قرآن ہزاروں تھے۔اور کیا رسول اللہ ﷺ بھی لکھا دیکھ کر پڑھتے یا زبانی آپ ﷺ کو یاد تھا۔کیا آپ ﷺ زبانی صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کو یاد کراتے تھے۔یا لکھا ہوا دیکھ دیکھ کر

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا ٢٧ وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ ۖ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ٤٨ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (پ21ع1)

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ١٩٢ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ١٩٣ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ١٩٤ (پ19ع14)میں غور کرو۔

امر واقعی یہ ہے کہ جیسے جبرئیلؑ زبانی پڑھاتے آپ ﷺ بھی ایسے ہی زبانی تعلیم دیتے ہاں مختلف اشیاء پر لکھوا دیا کرتے تھے۔ مگر یکجا جمع نہ تھا۔ صرف حفظ پڑھاتے تھے۔ یہ باقاعدہ جمع تدوین آپ ﷺ کے انتقال کے بعد واقع ہوئی ورنہ معترض کے زمہ ہے کہ قرآن سے یہ امر ثابت کرے اور ہرگز نہیں کر سکتا۔ اس ساری سمع خراشی سے میری غرض یہ ہے کہ کسی شی کی حفاظت کےلئے یہ لازم نہیں کہ کتاب سے ضبط کر کر اس کے ہر ایک جزکی حفاظت کی جائے۔ زبانی روایت و یاداشت و ضبط کی تاکید سے بھی حفاظت ہو سکتی ہے۔ جیسے جبرئیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس نوشتہ نہیں لائے تھے۔ صرف زبانی تعلیم کیا کرتے۔ ایسے ہی رسول اللہ ﷺ زبانی تعلیم دیتے ہاں بطور احتیاط لکھوا بھی دیتے مگر مختلف اشیاء پر الگ الگ متفرق سورتین یا پارے اور کتاب کا اطلاق جزو کل دونوں پر ہوتا ہے۔ اور جو چیز کتابت کے قابل ہو اس کو بھی پہلے ہی سے کتاب کیا جاتا ہے جو چیز زمانہ آئندہ میں لکھی جانے والی تھی اس کو کتاب کیا گیا ہے جیسے کہ

من قتل قتيلا له عليه بينة فله سلبه

میں مجاز بالمشارف کا مسئلہ اہل علم میں مشہور ہے۔ کہ قتل ہونے سے پہلے ہی زندہ کو قتیل کہہ دیا اس لئے کہ وہ عنقریب قتل ہونے والا تھا۔

ایسے ہی کتاب کو سمجھ لیجئے۔ کہ الم ذالک الکتاب لا ریب فیہ کے نزول کے وقت سارا قرآن نہ اترا نہ لکھا گیا تھا بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ چونکہ آگے کو لکھا جانے والا تھا مجازاً اسکو کتاب کہا گیا لہذا صرف لفظ کتاب سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ قرآن اول سے آخر تک یکجا لکھا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا۔ یا آپ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت امت میں سارا لکھا ہوا چھوڑا۔ حفاظت بلا تحریر کےلئے زرا نماز کی تفصیل کو ہی لیجئے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی حفاظت کی کیا صورت اختیار کی۔ کیا اس کی رکعات از کارہیات ارکان وغیرہ کو ضبط کرایا لکھوایا۔ پھر اس کی حفاظت ہوئی یا نہ اور وہ بھی قطعی ہے یا نہ ایسے ہی حج کے ارکان یا ترتیب وہیات ایسے ہی ''ذکواۃ'' کی تفصیل کس کس مال میں ذکواۃ ہے۔ اور کیا کیا نصاب ہے۔ اور اوقات وجوب وادا کیا ہیں۔ بتلایئے یہ امور قطعی ہیں یا نہ پھر ان کی حفاظت آپ ﷺ نے کرائی یا نہ؟ اگر کرائی تو کیا صورت اختیار کی۔ اس ساری تحریر کا خلاصہ یہ کہ کسی امر کی حفاظت کےلئے یہ ضروری نہیں کے اس کو لکھوا کر ضبط کرایا جائے حفاظت زبانی روایت کی تاکید وفعل سے بھی ہو سکتی ہے جیسے کہ امور مذکورہ میں ہوئی۔ جو معترض منکر کو بھی مسلم ہے۔ پس اس کا دلفریب مغالطہ باطل ہو گیا کہ حدیث کو چونکہ نبی کریم ﷺ نے مثل قرآن کے ضبط نہیں کرایا لہذا محفوظ نہیں۔ اور قابل عمل بھی نہیں۔ اور اس کا وہ مغالطہ بھی باطل ہو گیا۔ کہ آپ نے لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ الخ اس لئے کہ جب قول وفعل سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ تو پھر اول تو لکھنے کے حکم کی ضرورت ہی نہ تھی۔ مگر پھر بھی آپ ﷺ نے بہت سی احادیث احکام فرامین و معاہدات وغیرہ حکماً لکھوائے جواب تک محفوظ ہیں۔ بعض کتب خانوں میں رسول اللہ ﷺ کے لکھوائے ہوئے اور صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نوشتے بعینہ موجود ہیں۔ اور نقل بالمعنی کے اعتراض کا جواب ہو چکا ہے۔ کہ جائز ہے۔ قرآن مجید میں بھی ہے۔ اور پیشتر رواۃ کی تحقیق میں معترض کا وہ مغالطہ بھی باطل ہو گیا کہ جس راوی نے جو چاہا اپنے فہم سے لکھ لیا ہرگز ایسا نہیں ہوا۔ وہاں تو حتی الامکان الفاظ نبویہ کی کوشش تھی۔ ہاں صدر اول میں کچھ نقل بالمعنی ہوا اور نادر کالمعدوم تابعین کے زمانہ میں وہ بھی عالم بلاغۃ سے۔ ایسے ہی اس دلیل سے سو سال کے بعد سلسلہ روایت کا مغالطہ بھی باطل ہو گیا۔ اس لئے کہ نفس روایت کا سلسلہ تو خود رسول اللہ ﷺ نے بلغو عنی الحدیث (صحیح بخاری) کہہ کر جاری کر دیا۔ اور حجۃ الوداع میں فرمایا! فليبلغ الشاهد منكم الغائب کتابت حدیث بھی آپ ﷺ کی اجازت سے شروع ہو گئی تھی۔ اكتبوا لابی شاه (صحیح بخاری) ہاں یہ کتنا دلفریب مغالطہ ہے کہ پچھلوں نے صدیوں بعد پہلوں پر جرح کی یا ان کی توثیق

چو بشنوی سخن اہل حق مگو کہ خطا است سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

معاف فرمایئے۔ مجھے کہنا پڑا کہ معترض نے فن حدیث اور قوانین جرح و تعدیل کو کسی استاد کامل سے پڑھا ہی نہیں یا سمجھا نہیں۔ ورنہ ایسی جگ ہنسائی لغزش سے وہ نہ گرتے۔

اے جناب!وہاں توزرازرا بات پر جرح ہوتی ہے۔ کہ فلاں نے فلاں کو دیکھا نہیں پھر اس سے روایت کیسے کی اس کی روایت صحیح نہیں جب تک کہ اس سے سن نہ لے۔ اور خوب یاد نہ ہو پھر وہ بن دیکھے جرح تعدیل کیسے کر سکتے تھے کلا وحاشا نقاد حدیث نے جو کسی پر جرح کی ہے یا خود مجروح کو دیکھا ہے تجربہ کیا ہے یا اپنے استاذ کامل سے سنا ہے پھر اس نے بھی اس تحقیق سے بیان کیا ہے۔ خود مجروح کو دیکھا بھالا ہے۔ یا اپنے استاد کامل سے سنا ہے۔ علیٰ ھذ القیاس آخر تک سلسلہ چلا جاتا ہے۔ بتایئے اس میں کیا قباحت ہے۔ کچھ بھی نہیں یہ عین انصاف و مقتضاء نقل و عقل ہے۔ جس کا خلاف حیلہ فریبی کے سوا اور کچھ بھی نہیں اور یہ بھی دل فریب مطالطہ ہے۔ کہ ثقہ راوی کی روایت میں وہم وخطا وسہو کا احتمال ہے۔ اور فقاہت بھی ہر ایک کی ضروری نہیں لہذا اس کا کیا اعتبار۔

اس کا جواب بھی گذشتہ تحریر سے ہوچکا ہے۔ کہ قرآن مجید نے دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کا مدار رکھا ہے۔ حالانکہ دو شخصوں میں بھول چوک سہو نسیان بلکہ کذب سب کا احتمال ہے۔ پھر بھی شرح میں ان کا اعتبار ہے۔ اور آیت

اَ اَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا اِن جَاءَکُم فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوا (پ26ع12)

سے با اعتبار مفہوم ایک کا بھی اعتبار ہے۔ جو عادل ہو فاسق نہ ہو۔ ایسے اسی روایت حدیث میں سمجھے۔ اور روایت میں اول تو فقاہت یا مساوات شرط نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوادع میں فرمایا!کہ تم سب میری حدیثیں دوسروں تک پہنچا دینا۔ شاید تمہارے شاگرد تم سے بھی حفظ اور فقاہت میں زیادہ ہوں۔ اور قرآن مجید کی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آیات سے بھی اکے دکے کی روایت و تبلیغ کا اعتبار ثابت ہے۔ دوم روایت میں ضبط ضروری ہے۔ جو ہر معتبر راوی میں پایا گیا۔ لہذا آپ کی تشکیک باطل اور قرآن کی طرح احادیث کو ضبط کرانے کا مغالطہ اور اس کی تردید پہلے ہوچکی۔ کہ ہر امر قابل حفاظت کے لئے مثل قرآن تحریر ضروری نہیں۔ نیز قرآن مجید کو تحریراً ضبط کرانے کا مسئلہ بھی آپ کو قرآن مجید سے ثابت کرنا چاہیے تھا۔ کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین سے قرآن لکھوا کر ضبط کراتے تھے۔ محض لفظ کتاب سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دلیل عام ہے۔ اور دعویٰ خاص لہذا تقریب نا تمام یعنی دعویٰ تو ہے کہ رسول اللہ ﷺ لکھتے یا لکھواتے تھے۔ اور دلیل یہ ہے کہ قرآن کو کتاب کہا گیا۔ اور کتاب لکھی ہوئی کو کہتے ہیں۔ اس میں یہ کلام ہے۔ کیونکہ قرآن آیندہ لکھا جانے والا تھا۔ لہذا اس کو کتاب کہا گیا۔ ورنہ الم ذالک الکتاب کے نزول کے وقت سارا قرآن کہاں لکھا گیا تھا ہر گز نہیں فافہم وتدبر۔

ہاں احادیث نبویہ کی تاریخی حیثیت بتانا بھی غلط اور بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ آپ نے پہلے ملاحظہ کر لیا ہے۔ کہ احادیث کے ماننے اور ان پر عمل کرنے کا حکم قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور احادیث صحیحہ درحقیقت قرآن ہی کی شرح ہیں۔ اور نیز یہ کہ رواۃ احادیث کی روایت قوانین جرح و تعدیل کے مطابق بڑی تحقیق سے قرآن مجید کے حکم کے مطابق ہے اور تاریخ میں جرح و تعدیل کا کوئی قانون نہیں ہے۔ اس کا اکثر حصہ بلا تحقیق ہے۔ بلکہ مجاہیل۔ فساق۔ فجار۔ ظالم۔ بے دین ہر طرح کے لوگوں سے مروی ہے۔ پھر تاریخ میں سلسلہ روایت بھی باقاعدہ نہیں ارسال انقطاع اعضال وغیرہ تمام عیوب سے پر ہے۔ اور حدیث ان سب سے پاک پھر حدیث کی تاریخی حیثیت کہاں رہی ہر گز نہیں۔ احادیث صحیحہ میں صدق محض مطلق تاریخ میں صدق وکذب ہر دو موجود۔ یہ سچ ہے کہ دین قطعی ہے۔ مگر اس کی جزیات کی تفصیل میں صحت شرط ہے۔ جس سے علم حاصل ہو قطعیت شرط نہیں آپ پہلے ملاحظہ کر چکے کہ دو گواہوں کی شہادت جو قطعی نہیں اُس پر قرآن مجید نے معاملات وغیرہ میں فیصلہ کا مدار رکھا ہے۔ اور ان جَاءَکُم فَاسِقٌ بِنَبَاٍ

کی آیت سے بطور مفہوم مخبر صادق عادل واحد کا بھی اعتبار ثابت ہے جو قطعاً قطعی نہیں۔ بس اسی پیمانہ سے حدیث کو لیجئے ورنہ جو جو آپ قرآن پر سے اعتراض اٹھانے کو دیں گے اسی قسم سے حدیث کا سمجھ لیجئے بس قصہ ختم۔ اور ان الظن لا یغنی من الحق شئیا میں بھی معترض کو مغالطہ لگا ہے۔ ظن کا سنئے۔ ازروئے لغت عرب یقین یعنی جانب راجح کا بھی ہے۔ اور شک کا بھی اور آیت زیر بحث میں ظن سے شک ہے۔ پس آپ کا اعتراض اُڑ گیا۔ اس لیے کہ اوپر کی آیتوں میں جانب راجح کا اعتبار ثابت ہے۔ فافہم وتدبر۔ ہاں یہ خوب کہی کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو خدا نے لیا ہے۔ حدیث کا ذمہ نہ خدا نے لیا ہے نہ رسول ﷺ نے اے جناب! آپ نے قرآن مجید میں تدبر نہیں کیا اور حدیث کے تو آپ منکر ہی ہیں۔ اس میں کیا خاک غور کریں گے۔ ورنہ حدیث کی حفاظت کا ذمہ خدا اور رسول ﷺ دونوں نے لیا ہے۔ سنیے اور غور فرمائیے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ١٥٨

ترجمہ۔ کہہ دو۔ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بناکر بھیجا گیا ہوں۔ اور اخیر آیت تک (پ 9 ع 10)

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ

ترجمہ۔ (اے رسول کہہ دو) اس قرآن کی مجھ پر وحی ہوئی ہے کہ اس کے ساتھ تم کو اور جس جس کو (قیامت تک) یہ قرآن پہنچے۔ ڈراؤں۔

إِن كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (پ 4 ع 2)

اے مسلمانو! تم سب لوگوں میں بہتر امت پیدا کئے گئے ہو کہ بھلی باتوں کا حکم کرتے ہو۔ اور بری باتوں سے منع کرتے ہو۔ (بلکہ کرو گے)

ان آیات میں یہ بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت تک تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور یہ کہ اس قرآن سے آپ سب کو ڈرایئں گے۔ اور آپ کی امت کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ اور کریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بنفس نفیس سب کو تبلیغ نہیں کی۔ بلکہ آپ کی امت نے کی اور کررہی ہے۔ اور ادا کرتی رہے گی۔ اور پشتر ثابت ہوچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے لوگوں کو قرآن کے الفاظ یاد کراتے تھے۔ ایسے ہی اس کے معنی بھی بتاتے تھے۔ انہیں الفاظ و معنی سے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ اس لئے کہ بلا الفاظ کا مطلب بتایئے۔ اور بغیر ان کی اصلاح کئے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر ہی نہیں سکتے تھے۔ ورنہ قرآن کے الفاظ تو منکر لوگ سن کر

إِنْ هَٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ ٧ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ٢٥ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ٦

وغیرہ کلام سے پیش آتے تھے۔ وہی مطلب و معنی و شرح الفاظ قرآن مجید حدیث رسول و اسوہ رسول ہے۔ جس کے زریعے قیامت تک علماء امت لوگوں کو ڈرایئں گے۔ تاکہ قرآن مجید کی تصدیق ہو اور یہ تبلیغ ذبانی اور اور تحریری دونوں سے ہوئی اور ہورہی ہے۔ تو اس صورت میں بنا پر تصدیق قرآن مجید قرآن کی طرح حدیث نبوی ﷺ و شریعت محمدیہ کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ کہ امت کو یہ توفیق دی اور الہام کیا کہ وہ اس کے لئے جرح و تعدیل کے قوانین و سلسلہ روایت سے قرآن مجید کے الفاظ و معانی و تفسیر یا حدیث نبوی ﷺ یا شریعت محمدیہ کی حفاظت کریں۔ جیسے کہ قرآن کے الفاظ کی حفاظت حفاظ قرآن سے کرائی۔ معانی قرآن کی علماء اسلام اور آئمہ محدثین سے۔

اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری کی دلیل یہ ہے کہ پشتر گزرچکا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! **بلغوا عني ولواية**(صحیح بخاری) اور حجت الوداع میں آپ نے بیان احکام حج و وعظ و نصیحت فرما کر فرمایا! **ليبلغ الشاهد منكم الغائب** (صحیح بخاری) یہ کہہ کر گویا آپ سب کدوش ہوگئے کہ میں اپنا فرض منصب ادا کرچکا اب تمہارے ذمہ ہے تم پہنچانا پھر فرمایا۔ **اللهم اشهد** اے اللہ تو گواہ ہوجا میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔ پس آپ امت کو اپنی تبلیغ قرآن مجید اور اس کی شرح و تفسیر و اسوہ حسنہ یعنی حدیث کی اشاعت کا حکم فرماگئے۔ عام اس لئے کہ یہ اشاعت و تبلیغ زبان سے ہو یا تحریر سے جیسا کہ قرآن مجید کا پڑھانا۔ اور محفوظ رکھنا عام ہے۔ کہ زبانی ہو یا ضبط تحریر سے۔ اور معترض کا یہ اعتراض کہ حضور ﷺ نے حدیث لکھنے سے منع فرمایا تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ پشتر گزرچکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث نبوی ﷺ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ جو تقریر اور تحریر دونوں کو شامل ہے۔ اور واقعات کے لحاظ سے پورا بھی ہورہا ہے۔ لہذا معترض کو قرآن مجید اور واقعات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہیے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اوپر بھی ثابت ہوچکا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کا ذمہ لیا ہے۔ اور وہ روایت و کتابت دونوں کو شامل ہے۔ اور پورا بھی ہورہا ہے۔ اور آپ ﷺ نے خود بھی سلسلہ کتابت شروع کرایا اور حکم بھی دیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ مطلق کتابت حدیث سے منع نہیں کیا تھا۔ بلکہ حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ مخلوط کر کے لکھنے کو منع کیا تھا۔ چنانچہ مسند امام احمد میں ہے۔ کہ راوی نے کہا کہ ہم لوگ جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتے لکھ لیتے تو آپ ﷺ نے فرمایا!

اكتبوا كتاب الله امحضوا كتاب الله او اخلصوا كتاب الله انتهى

کتاب اللہ کو خالص اور علیحدہ کر کے لکھو اور اس میں کس دوسری چیز کو نہ ملاؤ۔

پھر لوگوں نے حدیث کی روایت کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ! **تحدثوا عني ولا حرج** مجھ سے روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ بس صرف قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کو مخلوط کر کے لکھنے کو آپ ﷺ نے منع کیا تھا نہ کہ الگ لکھنے کو۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بنفس نفیس مکتوبات گرامی مراسلات جو سلاطین و امراء کو لکھوائے ۔ معاہدات نصاب ذکواۃ عقول ودیات وغیرہ احکام جن کا معترض بھی 30 پر اقرار کرچکا ہے ۔ لکھوائے ۔ اور معترض نے مسلم کی حدیث تو کہیں سے نقل کر دی ۔ مگر اپنے مطلب کے لئے قطع برید کر کے نقل کی ۔ صحیح مسلم میں حدیث بایں الفاظ ہے ۔

لاتكتبوا عني ومن كتب عني غير القران فليمحه وحدثوا عني ولا حرج ومن كذب علی متعمدا فليتبوا مقعده من النار انتهی

مجھ سے سن کر لکھو نہیں ۔ اور جس نے مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ لکھا ہو مٹا دے ۔ اور مجھ سے حدیثیں روایت کرو روایت میں کوئی حرج نہیں اور جس نے قصداً جھوٹ میری طرف منسوب کیا اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لیا ۔ دیکھیے ! آپ نے جملہ حدثوا عني الخ کو حذف کر دیا جو حدیث کے اثبات پر کھلی دلیل تھا ۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے حدیثیں روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں ۔ اور مسند احمد کی روایت میں ہے ۔ کہ حدیث کو قرآن کے ساتھ مخلوط نہ کرو علیحدہ رکھو۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ معترض نے خود بھی طبقات ابن سعد کے حوالے سے ص 32 سطر 11 میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث نقل کی ہے ۔ خدا کی قسم کتاب اللہ کو کسی اور چیز کے ساتھ مخلوط نہ کروں گا ۔ بس حدیث کو کتاب اللہ کے ساتھ مخلوط کرنا منع ہے ۔ تاکہ کتاب اللہ میں تحریف کا دروازہ نہ کھلے ۔ اور الگ الگ لکھنا ثابت ہے ۔ اس میں تطبیق ہے ۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ معترض نے ص 30 میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت صرف حسب ذیل تحریری سرمایہ موجود تھا ۔ 1 ۔ پندرہ سو صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کے نام ایک رجسٹر میں 2 ۔ مکتوبات گرامی جو حضور ﷺ نے سلاطین و امراء کے نام لکھے 3 ۔ تحریری احکام و فرامین اور معاہدات وغیرہ 4 ۔ کچھ حدیثیں جو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اپنے طور پر قلم بند کیں ۔ پس ثابت ہوا کہ مطلقاً کتابت حدیث منع نہیں تھی صرف اختلاط بالقرآن منع تھا ۔ آگے چل کر معترض نے جو کہا ہے کہ حضور ﷺ سے ان کی تصدیق ثابت نہیں یا وہ آج کل موجود نہیں تو اول تو یہ اعتراض ہی لغو ہے ۔ اس لئے کہ تصدیق تو کتابت قرآن کی بھی حضور ﷺ سے ثابت نہیں کر سکتا ۔ یعنی یہ کہ لوگوں نے جو قرآن کے نسخے لکھے کہ اس کی حضور ﷺ نے تصدیق کی ہو کہ فلاں فلاں کا نوشتہ صحیح ہے ۔ پھر حدیث کی کیا خصوصیت ہے ۔ اور جب حضور ﷺ سے اثبات حدیث ہو چکا تو پھر یہ انکار کیسا ۔ رہا ان کا وجود تو کتب احادیث میں ثابت ہے جس کا انکار صرف مکابرہ ہے ۔ چھٹا جواب یہ ہے کہ تواتر سے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین اور تابعین سے نقل و ضبط روایات کتب حدیث میں ثابت ہے اور بعض کتب خانوں میں موجود۔ دیکھو تو توجیہ النظر جو تطبیق بالا کی بین دلیل ہے ۔ ساتواں جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حدیث منع منسوخ ہے ۔ اولہ مذکورہ بالا اس پر شاہد ہیں ۔ اور نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا ۔ قلم دوات لاؤ میں تمھیں کچھ لکھ دوں ۔ (صحیح بخاری) اگرچہ پھر کسی وجہ سے لکھا نہ گیا مگر آپ ﷺ نے اس کی خواہش تو کی جواز کی دلیل ہے اور یہ آخری خواہش نسخ کی دلیل ہے ۔ آٹھواں جواب اور نسخ کی دلیل یہ بھی ہے کہ منع کی روایت ایک ابو سعید سے مروی ہے ۔ اور اثبات کتابت کی رسول اللہ ﷺ سے ۔ حضرت علیرضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رافع بن خدیج اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیر ہم سے مروی ہے ۔ لہذا یہ اثبات مقدم ہے ۔ نواں جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض آپ نے حدیث کے لکھنے سے منع بھی کیا ہو تو حدیث کی زبانی روایت اور تبلیغ کو آپ نے منع نہیں کیا وہ تو خود اسی حدیث سے ثابت ہے ۔ جس کو معترض نے پیش کیا ہے ۔ اور حدثوا عني کے جملے کو اپنا خلاف جان کر حذف کر دیا ۔ اور حق کو چھپا دیا ۔ سو مقصود تو نفس روایت حدیث و تبلیغ حدیث ہے ۔ جو خود معترض کی پیش کردہ حدیث اور ادلہ قطعیہ سے ثابت ہے ۔ دسواں جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے علاوہ قرآن مجید کے آپ ﷺ کی حدیثوں کو روایت کرنا جائز یا واجب اور اس کا اعتبار ہے یا نہیں اور اگر ہے تو یہی ہمارا مدعا ہے ۔ اور اگر نہیں تو پھر یہ حدیث بھی قرآن مجید نہیں تو پھر اس کا بھی اعتبار نہیں ہونا چاہیے ۔ لہذا اس کا وجود اس کے عدم کو مستلزم ہے ۔ اس سے کچھ ثابت ہی نہیں ہو سکتا ۔ پس اس سے استدلال باطل اور یہ کہنا کہ یہ قرآن مجید کے منشاء کے مطابق ہے ۔ بالکل غلط ہے بلکہ یہ قرآن کے منشاء کے مخالف ہے پڑھو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ

ترجمہ ۔ اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک وقت معین تک دین کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو ۔ (پ 3 ع 6)

بتائے اگر رسول اللہ ﷺ کو معاملہ دین کا لکھوانا ہوتا تو جائز ہونا یا ناجائز اور وہ حدیث ہوتی یا عین قرآن ؟ اور پڑھیے ۔

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ

ترجمہ۔ تمہارے غلاموں میں سے جو آزادی کے لئے لکھت طلب کریں ان کو لکھ دو۔ (پ18ع9)

بتلایئے رسول اللہ ﷺ کو کتابت مکاتبت جائز ہونی یا ناجائز ہونی اور وہ حدیث ہونی یا عین قرآن اور یہ کہنا بھی مفید نہیں کہ اگرچہ معترض اس کا قائل نہیں مگر فریق مخالف کا مسلمہ ہے اس لئے کہ فریق مخالف نے اس کا دندان شکن جواب بھی دے دیا ہے۔ اور اول تو ایسی روایت کے لفظ حدثوا عنی سے حدیث کی روایت ثابت ہوتی ہے۔ دوم اورادلہ قطعیہ سے بھی ثابت کیا جاچکا ہے۔ ہاں معترض نے ص31 پر میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تذکرہ کے حوالہ سے جو ترک حدیث کی روایت نقل کی ہے اس میں بھی دھوکا دیا ہے۔ کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بیان کرتے ہو۔ اور اس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ الخ۔ یہ ترجمہ غلط ہے۔ دیکھے !الفاظ روایت کے یہ ہیں۔

انكم تحدثون عن رسول الله صلى الله عليه وسلم احاديث تختلفون فيها والناس بعدكم اشد اختلافا فلا تحدثوا الخ

یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا !لوگوں تم رسول اللہ ﷺ سے مختلف حدیثیں بیان کرتے ہو جو بجائے فائدہ کے نقصان دہ ہیں۔ ایسی مختلف حدیثیں مت بیان کرو۔ اور جہاں روایت آپس میں مختلف ہو وہاں صرف قرآن پیش کرو۔ پس انہوں نے متناقص روایات بیان کرنے کو منع فرمایا۔ نہ مطلق روایت کو سو اس سے کسی کو انکار ہے اور یہ متناقص بھی تاریخ سے لاعلمی اور عدم فہم پر مبنی تھا نہ کہ نفس روایات میں۔

2۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کو محدثین کی اصطلاح غالباً معلوم نہیں یا دیدہ دانستہ حق پرستی کی اس روایت کو امام ذہبی نے من مراسیل ابن ابی ملیکہ کرکے بیان کیا ہے بتلگئے ہیں کہ منقطع ہے لہذا صحیح نہیں۔ توجیہہ ص18 انظر الی الاصول الاثر میں بھی اس روایت کو کہا ہے کہ منقطع ہے صحیح نہیں۔

3۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس کتاب میں اس سے پہلے ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ترکہ جدہ کے بارہ میں لوگوں سے حدیث نبوی سن کر فیصلہ کیا اور اس کے علاوہ بہت سی حدیثیں کتب حدیث میں ان سے مروی ہیں۔ جو بالاتصال ثابت ہیں۔ اور آپ کی خلافت کے وقت بھی فیصلہ حدیث سے ہی ہوا تھا۔ جو بالااجماع مسلم ہوا۔ پس اس کا خلاف سبیل المومنین اور قرآن کا خلاف ہے۔

اور معترض نے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجموعہ احادیث کے جلانے کی روایت نقل کی ہے تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس روایت کے آخر میں لکھا ہے۔ فهذا لايصح یعنی یہ صحیح نہیں ہے غلط ہے۔ پھر غلط سے استدلال بھی غلط اور باطل ہے۔ معترض نے حق پوشی کرکے دھوکا کیوں دیا۔ قرآن مجید سے معترض نے صرف حق پوشی فاور دھوکہ وہی کا سبق لیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ابن کثیر نے بھی اس روایت کے ابطال میں کہا ہے غریب جدا یعنی بالکل صحیح نہیں۔ اور یہ کہ اس کی سند میں علی بن صالح اور مفضل بن غسان دونوں مجہول ہیں۔ خلاصہ یہ کہ روایت بلکل صحیح نہیں۔ دو راوی مجہول ہیں۔ اور ادلہ قطعیہ سابقہ کے بھی مخالف ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ خود اسی روایت میں ہے کہ انھوں نے صرف کسی شخص کی غلطی یا سہو و نسیان کے احتمال کے باعث احتیاطا ان روایتوں کو تلف کیا نہ کہ اصل حدیث سے انکار تھا۔ ورنہ خود کیوں جدہ کے ترکہ میں حدیث کی روایت سے فیصلہ کرتے اور خلافت کا بھی حدیث ہی سے آپ نے فیصلہ کیا جو تواتر سے ثابت ہے۔ معترض نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ موکانا شبلی نے فاس روایت پر کوئی تنقید نہیں کی۔ میں کہتا ہوں اب تو آپ کو خود تذکرۃ الحفاظ سے تنقید مل گئی اور امام ابن کثیر کی تنقید علاوہ اس کے ہے۔ جو کنزل العمال وغیرہ میں ہے۔ اور معترض نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت عدم حدیث کی نقل کی ہے۔ اس میں بھی سخت دھوکا دہی اور حق پوشی کی ہے۔ جو عبارت اپنے مطلب کے خلاف تھی اس کو حذف کرکے صرف اپنے مطلب کی نقل کر دی ہے۔ جو شرعاً سخت جرم ہے۔ **يحرفون الكلم عن مواضعه** کی آیت یاد لادی۔ سچ ہے۔

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

دیکھئے عبارت ذیل اصل کتاب تذکرہ میں تھی جس کو معترض نے حذف کر دیا۔

فلا تصدوہم بالاحدیث فتشغلوہم جردوا القران واقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا شریککم الحدیث

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کثرت حدیث کی روایت سے لوگوں کو قرآن مجید سے غافل نہ کرنا اور قرآن مجید میں حدیث کی آمیزش نہ کرنا قرآن مجید کو علیحدہ رکھنا اور رسول اللہ ﷺ سے روایت کم کرنا اور اس میں بھی تمہارا شریک ہوں۔ الخ

یہ عبارت جو مثبت حدیث نبوی ﷺ کی تھی۔ اور معترض کے مخالف اس کو حذف کر کے اپنا مطلب جو باطل تھا وہ بنا لیا۔ اور یہ کوئی تعجب نہیں باطل کی حمایت میں حق کو چھپایا ہی جاتا ہے اس روایت کا مطلب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غرض یہ تھی کہ کثرت روایات سے لوگ قرآن مجید کی تلاوت سے غافل نہ ہوں اور نیز یہ کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو مخلوط نہ کریں۔ الگ الگ رکھیں۔ جردالقرآن کا صاف یہی مطلب ہے۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کم بیان کرنا۔ اس لئے کہ کثرت روایات میں غلطی کا احتمال ہے۔ اور فرمایا اس صورت میں میں بھی تمہارا شریک ہوں۔کہیے یہ قول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حدیث کا مثبت ہے۔ یا منفی۔ ہاں احتیاط اور کمی کے ساتھ روایت کرنے کو فرمایا جس میں صحت راجح ہے۔ جو بالکل صحیح ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ اگر میں آپ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کثرت سے حدیثیں بیان کرتا تو حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے درے سے مارتے۔ یہ بھی ان کا اپنا خیال اور قیاس ہے۔ اور بس واقع میں ایسا نہیں ہوا۔ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے قید کی روایت میں کلام ہے کہ اول تو اس روایت کو توجیح النظر الی الاصول الاثر میں نقل کر کے کہا ہے یہ مرسل مشکوک ہے صحیح نہیں اس کا کذب ظاہر ہے۔ انتہیٰ ص 18 میں کہتا ہوں کہ اس کے بطلان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ میں اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام میں معلم بنا کر بھیجا تھا۔ اور ان لوگوں کو لکھ بھیجا کہ تم ان دونوں کی حدیث سے تجاوز نہ کرنا۔ (ازالۃ الخلفاء) وہ تو ان کے بڑے مقرب تھے۔ پھر قید چہ معنی۔ تذکرۃ الحفاظ ص 14 میں لکھا ہے۔ کہ حارثہ بن مضرب کہتے ہیں ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط آیا اس میں لکھا تھا میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمہارا امیر اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وزیر اور معلم بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے برگزیدہ اصحاب رضوان اللہ عنہم اجمعین سے ہیں۔ ان کی سننا اور پیروی کرنا ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنے نفس پر ترجیح دے کر تمہارے پاس عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا ہے۔ انتہیٰ بھلا ایسے شخص کو وہ قید کرتے ہر گز نہیں۔ اور اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کیا جائے۔ تو لفظ حبس کا معنی اگرچہ لغت میں قید کا بھی آتا ہے۔ مگر یہاں یہ معنی مراد نہیں یہاں حبس معنی روک تھام ہے۔ جیسے کہ آیت

تَحۡبِسُونَهُمَا مِنۡ بَعۡدِ الصَّلَاةِ فَيُقۡسِمَانِ بِاللَّهِ (پ 7 ع 3)

اور جیسے کہ آیت

وَلَئِنۡ أَخَّرۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَعۡدُودَةٍ لَيَقُولُنَّ مَا يَحۡبِسُهُ

(پ 12 ع 1) میں یہاں کثرت روایت سے بندش کے معنی ہیں نہ مطلق روایت کرنے سے منع کرنے کے۔ اور جیل خانہ میں ڈال کر ان کو عذاب کرنے کے کلا و حاشا۔ اس لئے کہ ان سے پیشتر تذکرہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ کہ کہا لوگو! تم روایت کم بیان کرنا اس میں میں بھی تمہارا شریک ہوں۔ دوم خود ان سے بھی صحاح ستہ میں پانچ سو سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں۔ بعض مشہور بعض متواتر ان کی ساٹھ حدیثیں تو صرف بخاری میں ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری ص 561) اور مولانا شبلی نے الفاروق ص 240 میں بحوالہ کتاب الآثار امام محمدؒ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا باہم مسائل میں استفادہ نقل کیا ہے۔ یہ بھی معترض کی روایت کی تردید ہے سوم ابن عبد البر کی روایت میں ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جس نے رسول اللہ ﷺ سے جو حدیث سنی اور اسی طرح روایت کی تو وہ سلامت رہا۔ انتہیٰ۔ پس اسے سے یہ واضح ہو گیا کہ اس سے ان کی غرض تحقیق اور تثبیت روایت تھا نہ ترک روایۃ وہ حدیث نبوی ﷺ میں کذب کی وعید سے بہت خائف تھے۔ اور فرماتے تھے۔ **اخاف ان ازید حرفا او انقص حرفا** اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے کذب پر وعید فرمائی ہے۔ (مسند احمد وغیرہ) ورنہ ویسے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے۔ فبدوا العلم با لکتاب یعنی علم (کتاب و سنت) کو لکھ کر مقید کر دو۔ (مستدرک حاکم و سنن دارمی)

اور معترض نے جو ص 33 میں لکھا ہے۔ کہ امام ذہری کو ضبط احادیث بعد کو ناگوار گزرا میں کہتا ہو یہ بلکل غلط ہے اس لئے کہ اول تو خود معترض نے اسی صفحہ سطر 9 میں لکھا ہے کہ

ان تصانیف کا مسالہ وہ روایات تھیں ۔ جو مسلمانوں میں عام طور پر مشہور چلی آ رہی تھیں ۔ دوم یہ کہ امام ذہری نے اخیر وقت تک احادیث لکھیں ۔ اور روایت کیں ۔ جو کتب حدیث میں جم غفیر کا ان سے روایت کرنا ثابت ہے پس اس سے معترض کے تمام الہ باطلہ ہباء منثورا ہوگئے ۔ الحمد للہ

اور یہ بھی بالکل غلط ہے ۔ کہ ترک روایت قرآن کے مطابق ہے ۔ کلا و حاشا ۔ ترک روایت قرآن کے بالکل مخالف ہے ۔ چنانچہ پیشتر گزر چکا ہے ۔ اور یہ بھی بڑا دل فریب مظالطہ ہے ۔ کہ خلفاء راشدین نے حدیث کا کوئی مجموعہ نہ بنایا ۔ اس لئے کہ تواتر سے ثابت ہے ۔ کہ خلفاء راشدین نے احادیث نبویہ ﷺ سے فیصلے کیے ۔ عبادات ۔ معاملات ۔ مغاذی وغیرہ میں مکتوبات و فرامین و احادیث نبویہ ﷺ پر عمل کیا اور خود بھی احادیث نبویہ روایت کیں ۔ رسول اللہ ﷺ سے قرآن کی تفسیر بھی روایت کی اور خود ان سے احادیث کے نوشتے بھی بعض کتب خانوں میں موجود ہیں ۔ (توجیہ النظر الی الاصول الاثر)

اور اس کا انکار ہدایت کا انکار اور مقابرہ ہے ۔ فرامین مکتوبات وغیرہ کا کچھ تو معترض نے خود بھی اقرار کیا ہے ۔ جس سے اس کی سب کل کی تقیض خود اسی کی تحریر سے ثابت ہوگئی ۔ جس سے اس کا استدلال باطل ہوگیا ۔ الحمد للہ

اور یہ کیا ضرور ہے کہ جو امر ضروری ہو وہ نوشتہ ہی ہو کیا زبانی روایت تواتر یا شہرۃ سے یا تعامل امت کافی نہیں ۔ ضرور کافی ہے ۔ اسوہ رسول ﷺ کو خود معترض بھی مانتا ہے ۔ پھر کیا اس کے لئے بھی کتابت کا مجموعہ ضروری ہے ۔ یا نہ ؟ اور احادیث کی کتابت و ضبط تو خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے ۔ کہ آپ نے فرامین و احکام و عقول و دیات و نصاب ذکواۃ مکتوبات و معاہدات صلح حدیبیہ وغیرہ بذات خود لکھوائے اور ان پر خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے عمل کیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل کیا جو تواتر سے ثابت ہے ۔ اور وہ نوشتے اب تک کتب حدیث میں بصحت نام موجود ہیں ۔ پھر ایسے بدیہی امر کا انکار کج بحثی ہٹ دھرمی انصاف کشی شخصیت پرستی بلکہ نفس پرستی نہیں تو اور کیا ہے ۔ ؟ منکر معترض کو احادیث نبویہ ﷺ کے جزو دین ہونے سے انکار اور اس پر سخت اصرار ہے اور حدیث نبوی پر عمل کرنے کو کبھی تو وہ رواۃ کی شخصیت پرستی بتاتا ہے ۔ اور کبھی کہتا ہے کہ اگر وہ جزو دین ہوتیں تو اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کی ذمہ داری لیتے یا خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اس کا مجموعہ چھوڑتے جب کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں تو حدیث جزو دین بھی نہیں ۔ میں کہتا ہوں اس کے جواب کا کچھ حصہ تو گزر چکا ہے ۔ ملاحظہ ہو کچھ اب بیان کیا جاتا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ جب شخصیت پرستی ہوتی کہ ان لوگوں کی ایجاد کو حجہ و واجب العمل بنایا جاتا یہ تو انہوں نے حدیث رسول ﷺ کی تبلیغ کی ہے جس پر عمل کرنا فرض ہے جیسے کہ انہوں نے قرآن کی تبلیغ کی اگر یہ شخصیت پرستی ہے تو پھر ان کی یا اور کسی کی قرآن کی تبلیغ بھی شخصیت پرستی ہوگی اور یہ باطل ہے ۔ اس لیے کہ رواۃ کی خبر و شاہد کی شہادت کو قبول کرنے کا تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ

(پ 3 ع 6) اگر یہ شخصیت پرستی ہوگی تو دین دنیا دونوں کے احکام باطل ہو جائیں گے ۔ رواۃ کی خبر یا شاہد کی شہادت پر عمل کرنا تو قرآن مجید اور بداہتہ عقل کے مطابق اور سبیل المومنین ہے جس سے کوئی ذی عقل و فہم سلیم انکار نہیں کرسکتا ۔ اس کو شخصیت پرستی کہنا بالکل باطل ہے تعجب ہے کہ معترض تاریخ کی روایتوں بلا تنقید مانتا ہے ۔ جن میں اکثر اخبار احاد فساق فجار وغیرہ کی روایتیں بھی ہیں ۔ ایسی شخصیت پرستی کو وہ صحیح مانتا ہے ۔ کہتا ہے کہ وہ صحیح جزو دین نہیں گویا دین میں شخصیت پرستی کو برا جانتا ہے اور بے دینی کی شخصیت پرستی کا عامل ہے ۔

بریں عقل و دانش بباید گریست ؟

اور یہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بھی ایک طرح سے حفاظت حدیث یا شریعت محمدیہ کا ذمہ لیا ہے ۔ اور وہ واقعات سے پورا ہو بھی رہا ہے ۔ ملاظ ہو مضمون سابق اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ نفس حدیث کی روایت بلکہ کتابت الفاظ بھی زمانہ نبوی ﷺ میں شروع ہوگئی تھی ۔ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود فرامین مراسلات مکتوبات عقول و دیات احکام وغیرہ لکھوائے پھر اس طرح خلفاء راشدین اس پر عمل پیرا ہوئے ۔ اور یہ کہ وہ نوشتے اب تک بعض کتب خانوں میں موجود ہیں ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے زمانہ میں وہ نوشتے مثل قرآن مجید مت فرق اجزاء میں غیر مرتب تھے بعد میں زمانہ تابعین میں باقاعدہ جوامع و سنن وغیرہ کی صورت میں مدون و مرتب ہوئے اور درس و تدریس کا سلسلہ مدارس میں

شروع ہوا جس کو معترض اپنی غلط فہمی سے امر جدید خیال کرتا ہوا طرح طرح کی چہ مگوییاں اور شر انگیزیاں کر رہا ہے۔

یہ ظلم آرایئاں کب تک یہ شر انگیزیاں کب تک

تعجب ہے کہ معترض ص 33 میں لکھتا ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ و امام زہری کے بعد جب لوگوں کو قرون اولیٰ کے لکھنے کا خیال پیدا ہوا اس دور میں کتب سیرت کی تصنیف کی ابتداء ہوئی۔ ان تصانیف کا مسالہ وہ روایات تھیں جو مسلمانوں میں عام طور پر مشہور چلی آتی تھیں۔ یہ باتیں اس تمام عہد کو محیط تھیں۔ بعض حضرات نے اس وسیع موضوع کو سمٹایا اور صرف انہین باتوں کو اکھٹا کیا جو نبی کرم ﷺ کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ ان باتوں ک مجموعے کا نام کتب احادیث ہے۔ اور ص 30 میں لکھتا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حسب ذیل تحریری سرمایہ موجود تھا۔ مردم شماری کا رجسٹر حضور ﷺ کے مکتوبات گرامی سلاطین و امراء کے نام تحریری احکام و فرامین و معاہدات اور کچھ احادیث جو خود بعض صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے قلمبند کیں۔ الخ

تعجب اس پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ضبط احادیث کے سلسلہ کو بھی تسلیم کرتا ہے اور صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کے حدیث لکھنے کو بھی مانتا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہتا ہے جو یہ سلسلہ کتب حدیث ان روایتوں کا مجموعہ ہے جو مسلمانوں میں عام طور پر مشہور چلی آتی تھیں۔ ص 33۔34 اور آخر میں اپنا وہم پھیلا کے ان کے جزو دین ہونے سے انکار بھی کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب نوشتوں اور مشہور روایات کو باقاعدہ جرح و تعدیل کے قوانین سے تنقید کر کے مدون کر لیا گیا تو پھر ان کی صحت اور جزو دین ہونے میں کیا کلام ہے۔ ؟ کچھ بھی نہیں ؟ صرف معترض کی سمجھ کا پھیر ہے اور سنیئے ! معترض نے ایک اور طرح سے وہم پھیلایا ہے۔ ص 34 میں لکھا ہے۔ پھر ایک دوسری صورت یہ بھی تھی کہ جس طرح قرآن محفوظ کیا گیا اگر لوگ نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو یاد کر لیتے اور وہی الفاظ سینہ بسینہ منتقل ہوتے رہتے تاآنکہ وہ کتابی شکل میں لکھلئے جاتے تو یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ کتب احادیث کا مجموعہ ایک یقینی چیز ہے لیکن یہ بات بھی نہیں ہوئی۔ الخ

دیکھئے ! یہ بدحواسی یا وہم نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ پہلے تو لکھ چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احکام فرامین و معاہدات وغیرہ ضبط کرائے۔ اور صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین نے بھی احادیث قلم بند کیں پھر یہ بھی لکھتا ہے کہ تابعین نے کتب احادیث مدون کیں پھر بھی یہ لکھتا ہے کہ وہ روایات م مشہور تھیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ وہ کتب حدیث صحیح بخاری وغیرہ اب تک بصحت تام موجود ہیں پھر یہ کہنا کہ لیکن یہ بات بھی نہیں آپ ہی بتایئے۔ اسے کیا کہا جائے کیا یہ بدحواسی اور تناقض نہیں تو اور کیا ہے یہ باطل کی حمایت کا نتیجہ ہے اور سنئے ص 36 میں معترض نے لکھا ہے۔ کہ عبد للہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ جب وہ قال رسول اللہ ﷺ کہتے تھے۔ تو کانپ اٹھتے تھے۔ اور رکہتے تھے اس طرح یا (یا مثل اس کے قریب (مسند داری) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی خوف سے حدیث بیان نہیں کیا کرتے تھے۔ کہ کہیں مجھ سے حدیث روایت کرنے میں کمی بیشی نہ ہو جائے۔ الخ دیکھئے ! معترض کا خبط یا چالاکی و قطع و برید کہ اس روایۃ میں ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایۃ حدیث کے وقت یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتے۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار انتہی

(مسند امام احمد وغیرہ کتب احادیث) اس کو معترض نے حذف کر دیا جس میں حدیث کا ثبوت تھا۔ نیز اس نقل سے تو صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کے الفاظ نبویہ کے ضبط کرنے کی طرف توجہ تام ثابت ہوتی ہے۔ کہ جس میں ان کو ذرا بھی شبہ ہوتا وہاں او کما قال کہہ دیتے اور جہاں یقین ہوتا وہاں بلا کھٹکا الفاظ نبویہ بیان کرتے۔ پھر اسی طرح آگے تابعین وغیرہ کا سلسلہ چلا۔ لہذا یہ اثبات حدیث کی دلیل ہے نہ نفی کی۔ مگر معترض نے اس کو عدم اثبات میں پش کیا اور کتب حدیث کے عیوب میں اس کو لایا۔

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد عیب نماید ہنر ش در نظر

اور سنیئے ! معترض نے آئمہ محدثین پر یہ بہتان لگایا ہے کہ انہوں نے اپنے سے سینکڑوں برس پہلے کے انسانوں کی ثقاہت کے متعلق فیصلے کئے۔ ص 45 ص 37 یعنی جرح و تعدیل کی۔ میں کہتا ہوں یہ ان پر صریح بہتان ہے اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ صحیح سند سے اور دسماع و تحقیق سے۔ پہلوں کی جرح و تعدیل نقل کی یا اپنے چشم دید مشاہدہ و معائنہ کی بنا پر حکم لگایا ہے۔ نہ کہ اٹکل پچو۔ معاذ اللہ۔ اور معترض کا یہ بھی مطالطہ ہے کہ رواۃ نے ثقاہت کا سکہ جما کر لاکھوں حدیثیں وضع کیں۔ بعض کا پردہ چاک ہوا۔ ہزاروں نیک نیتی سے حدیثیں وضع کرتے لہذا ان کا کیا اعتبار پھر کتب سابقہ سے تشبیہ دی ہے۔ میں کہتا ہوں آئمہ محدثین نے ایسے لوگوں کی ایک ایک روایۃ کی تنقید کی ہے اور ان کو الگ کر دیا ہے۔ اور

مختلف اسانید سے ان کو پرکھا ہے ۔ اور معانی کے لحاظ سے بھی جا بچا ہے متکلم کی شان اور عادت اور دیگر ادلہ صحیحہ سے تطبیق دی ہے ۔ الغرض عقل و نقل کی کسوٹی سے ان کو روایت کیا ہے ۔ جو بالکل قرآن مجید کے حکم کے مطابق ہے ۔ مضمون سابق ملاحظہ ہو اور کتب سابقہ یا توراۃ وغیرہ کی مثال بھی دھوکہ دہی سے خالی نہیں ۔ اس لئے کہ ان کے بارے میں تو قرآن و حدیث دونوں ناطق ہیں کہ وہ محرف ہیں ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے اور آئمہ جرح اور تعدیل کی تنقید و روایت یا شہادت پر عمل کرنا تو قرآن مجید اور عقل دونوں کے مطابق ہے اب یہ کج بحثی کرنا کہ یہ ان کو بشریت کی سطح سے اوپر لے جانا ہے بالکل دھوکا دہی ہے ۔ اس لئے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ۔ کہ روایۃ کے درجات ہیں ۔ تواتر ۔ شہرۃ ۔ خبر واحد ۔ اور ہر ایک اپنے اپنے محل پر ہے ۔ اور قابل عمل ہے ۔ اور پھر جب قرآن مجید سے ایک امر ثابت ہو چکا تو اب اس میں تردد کرنا اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے ۔ اور کچھ نہیں ۔

معترض کا ایک اور دلفریب مغالطہ سنئے ۔ لکھتا ہے کہ امام بخاریؒ نے جو پانچ لاکھ ستانوے ہزار روایۃ کو جو ناقابل اعتبار قرار دیا ۔ اور بقایا تین ہزار کے قریب اپنی کتاب میں درج کر لیں ۔ ان کے پاس کون سی سند تھی ۔ کہ ان تین ہزار میں سے شک و شبہ کی گنجائش نہیں پھر اس کو شخصیت پرستی بتایا ہے ۔ میں کہتا ہوں معترض نے اول تو تعداد حدیث ہی میں غلطی کی ہے ۔ اس لئے کہ صحیح بخاری کی احادیث مسندہ سات ہزار دو سو پچھتر ہیں ۔ اور مسندہ و معلقہ و مررہ ملکر نو ہزار دو سو اسی ہیں ۔

اب لیجئے جواب سنیے ۔ !امام بخاری کے پاس صحیح کو لینے اور غیر صحیح کو ترک کرنے کی سند یا کسوٹی بحکم قرآن مجید

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ الایۃ إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا

بحکم عقل و دانش و اجماع امت قواعد جرح و تعدیل تنقید و تحقیق تھی جس سے کسی صاحب عقل کامل و فہم سلیم کو انکار کی گنجائش نہیں ورنہ بتایئے ۔ معترض کو کیا حق ہے کہ معتقدین کی صدیا سالہ تحقیق پر صدہا سال کے بعد اب نکتہ چینی کرے ۔ یہی نہ کہ عقل و نقل کے قواعد سے حکم لگایا جاتا ہے ۔ بس جیسے معترض نے تنقید کی گو اس کی تنقید بھی غلط اور بے قاعدہ ہے ۔ مگر کی تو سہی ۔

بس اسی طرح امام صاحب و دیگر آئمہ نے تنقید کی جو بلکل صحیح اور باقاعدہ کی کہیے اس میں کیا اعتراض ہے کچھ بھی نہیں صرف معترض کی سمجھ کا پھیر ہے ۔ کہ قرآن مجید کے مطابق عمل کرنے کو شخصیت پرستی ہے ۔ قرآن مجید کے معنی بھی جو ان کے بتائے ہوئے ہوں ۔ ان کو تسلیم کرنا اور جو سلف و خلف سے متواتر و مشہور ہیں ۔ ان کو ترک کرنا یہ بھی اول درجہ کی شخصیت پرستی ہے ۔

مگر منکروں پر کشادہ ہیں راہیں ۔ پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں ۔

منکر معترض کا ایک اور بہتان عظیم ملاحظہ فرمایئے ۔ ص 38 میں لکھتا ہے ۔ امام بخاری نے امام ابو حنیفہ کو بنا بر اختلاف عقیدہ کمی یبشی ایمان ثقہ نہیں قرار دیا ۔ اور چونکہ وہ کوفہ کے تھے لہذا سب کوفہ والوں کو غیر معتبر بتایا اور چونکہ کوفہ عراق میں تھا ۔ لہذا سارا عراق اسی زمرے میں آگئے ۔ لہذا ان کی سو حدیثوں میں سے 99 چھوڑ دو اور جو ایک تو وہ بھی مشتبہ ۔ اللہ اللہ لوگوں کو بہکانے اور بدگمان کرنے کے لئے کتنا بڑا بہتان تراشا ہے یہ بالکل جھوٹ ہے ۔ امام بخاریؒ نے ایسا ہر گز نہیں کیا صرف اوروں کا یہ قول نقل کیا ہے ۔ **كان مرجئا سكتوا عن رائه حديثه** کہ لوگ بوجہ ان کے ارجاء کے ان کی حدیث سے ساکت رہے ۔ ثقہ نہ قرار دینا اور امر ہے اور سکوت عن الحدیث اور ۔ امام نسائی وغیرہ نے وجہ سکوت عن الحدیث کی سوء حفظ بتائی ہے ۔ سو ہو سکتا ہے کہ توثیق باعتبار صدق و دیانت کے ہو اور سکوت عن الحدیث باعتبار سوء حفظ کے پاس امام بخاری کی طرف امام ابو حنیفہ کے غیر ثقہ ہونے کی نسبت بالکل بہتان ہے ۔ اور آگے کوفہ والوں اور عراق والوں کا تو اس سے بھی بڑھ کر بہتان ہے کہ جس کا سر ہے نہ پاؤں ۔ اور اس سے بہتان کی تردید کے لئے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے ۔ کہ صحیح بخاری میں سینکڑوں راوی کوفی اور عراقی ہیں ۔ سفیان بن عینہ ۔ سفیان ثوری ۔ ابراہیم نخعی ۔ ابراہم یتمی ۔ وغیرہ رواۃ بخاری سب کوفی ہیں ۔ معترض کا ایک اور اعتراض سنئے ۔ صفحہ 38 میں لکھتا ہے ۔ کہ فروعی عقیدہ کے اختلاف کی بنا پر امام ابو زرعہ اور امام ابو حاتم نے خود امام بخاری کی ثقاہت پر اعتراض کیا ہے ۔ اور ان سے رعایت ترک کر دی ہے امام مسلم امام بخاری کو مفتری الحدیث جھوٹ موٹ بنانے والا قرار دیتے ہیں ۔ یا اللہ ! کہیں آسمان سے پتھر نہ برسیں یہ ان بزرگوں پر کتنا بڑا بہتان ہے ۔ نہ معلوم معترض نے کتب رجال کو پڑھا نہیں یا سمجھا نہیں یا دیدہ دانستہ دھوکہ دینے کو اور خلق خدا کے گمراہ کرنے کو **يحرفون الكلم عن مواضعه** کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے ۔ اب سنئے جواب امام ابو زرعہ اور امام ابو حاتم

نے امام بخاری کے ثقہ ہونے پر کبھی اعتراض نہیں کیا یہ معترض کی اصطلاحات محدثین سے بے خبری کا نتیجہ ہے کہ دن کو رات بناتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری جب نیشا پور گئے۔ تو آپ کی بڑی عزت ہوئی اور اساتذہ ک طلبہ سب آپ کے سامنے آنے لگے۔ بعض اساتذہ کو یہ امر ناگوار ہوا ایک حاسد نے آکر ایک مسئلہ پوچھا کہ آپ خلق قرآن کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ غیر مخلوق ہے۔ مگر ہماری آوازیں غیر مخلوق نہیں۔ اس کم بخت نے مشہور کر دیا کہ امام صاحب خلق قرآن کے قائل ہیں۔ اس پر امام زہلی کو اپنے طلبہ کو روکنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے طلبہ کو روکا تو امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ بھی قبل اس کے امام صاحب سے خود آکر تحقیق کرتے دور سے سن کر بیٹھ رہے بعد کو جب امام صاحب کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس کی تردید بھی کر دی۔ معاملہ صاف ہو گیا۔ مگر دشمن کو بھکانے کا موقع مل گیا۔ اس زمانے میں لوگ مذہب کے پکے تھے وہ مذہب کے خلاف کوئی بات نہیں سننا چاہتے تھے۔ امام ابو زرعہ کا یہ حال تھا۔ کہ اگر کوئی گانا بجاتا ہوتا تو کانوں میں انگلیاں ڈال کر بند کر لیتے امام صاحب کے ثقہ ہونے پر انہوں نے اعتراض قطعاً نہیں کیا صرف پڑھنے سے رک گئے۔ ویسے امام صاحب کے علم و فضل و ثقہ ہونے کے قائل تھے۔ اس لئے کہ جب امام ابو زرعہ سے کسی راوی کا حال دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے امام بخاری کا حوالہ دیا کہ انہوں نے ایسا لکھا ہے۔ (تہذیب التہذیب) بس اسی پر کفایت کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک امام بخاری ثقہ اور جرح و تعدیل کے امام تھے۔ ورنہ غیر ثقہ کی جرح و تعدیل کا کیا اعتبار اور امام ابو حاتم نے تو امام بخاری کو دین کا عالم اور حافظ بتایا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور تعدیل کیا ہو گی۔ اور کیا عجب کہ معترض کو یا جس سے معترض نے نقل کیا ہے۔ کہیں دھوکا ہو گیا ہو کیونکہ محمد بن اسماعیل بخاری ایک اور شخص وہ بھی رواۃ میں گزرا ہے۔ جو پانچویں صدی میں امام صاحب کے بعد ہوا ہے۔ گویا کچھ اوپر تین سو سال امام صاحب کے بعد پیدا ہوا وہ البتہ ثقہ نہیں۔ غالباً لوگوں کو اس کا شبہ ہوا ہے۔ ورنہ امام بخاری تو امام الدینا فی الحدیث مسلم الکل تھے۔

قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾

اب امام مسلم کی بابت سنیے۔ اکہ معترض نے جو کچھ ان کے بارے میں لکھا بالکل جھوٹ ہے۔ بھلا ثابت تو کریں حوالہ تو بتایئں کہ کس کتاب میں ایسا لکھا ہے۔ دشمنان سے سنی سنائی ڑٹلیات نقل کر دیں۔ کہیں کہیں لکھا ہے کہ امام مسلم نے امام بخاری کو جھوٹ موٹ حدیث بنانے والا کہا ہے۔ کلا و حاشا۔ ہر گز نہیں وہ تو ان کے شاگرد رشید ہیں۔ اور ان کی اتنی تعریف کی ہے کہ کوئی اور کیا کرے گا۔ وہ تو امام صاحب کو استاذ الاستاذین اور سید المحدثین اور طبیب الحدیث فی علله کہتے تھے اور کہتے تھے کہ علم دین میں آپ کی مثل دنیا میں کوئی نہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں آپکے پاؤں چوم لوں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ حاسد ہے جو آپ سے بغض رکھے۔ بتایئے وہ جھوٹ موٹ حدیث بنانے والے تھے۔ یا منکر معترض حاسد کہ صریح جھوٹ لکھ مارا۔ توبہ توبہ اور بعض محدثین نے تو امام صاحب میں کلام کرنے والے پر ہزار لعنت کی ہے۔ سچ ہے۔

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں برد

وہ تو ایک منکر معترض نے جھوٹ موٹ بہتان تراش کو لکھ مارا۔ دوسرا مختل الحدیث کا معنی بھی غلط کیا اس کا معنی ضیعف الحدیث ہے نہ کہ جھوٹ موٹ بنانے والا ان دونوں میں آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ مگر اس کو تو اعتراض کرنا تھا۔ حق و ناحق جھوٹ سچ سے غرض نہیں۔ قرآن میں افتراء کرنے والوں کی جو تعریف کی گئی ہے۔ شاید وہ معترض کو یاد نہیں یا پرواہ نہیں۔

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٥﴾ (پ14ع19)

ترجمہ۔ جھوٹ افتراء وہی کرتے ہیں۔ جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اور وہی لوگ اصل کاذب ہیں۔''

یہاں معترض نے ایک اور دل فریب مغالطہ دیا ہے۔ کہ سنی شیعہ ک اپنے اپنے راوی ہیں۔ اور ہر ایک کے نذدیک اپنے اپنے ثقہ ہیں۔ اور پھر متناقض بھی لہذا بے اعتبار اور اتنے ہی ہم مسلک کا اعتبار تو پارٹی بازی ہوئی انصاف نہ ہوا۔

نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر اب جگر تھام ک بیٹھو مری باری آئی

کیوں جناب معترض صاحب! کوئی یوں کہے کہ آپ اور شیعہ دونوں اپنے اپنے خیال کے لوگوں کو ثقہ جانتے ہیں اور دونوں کا قرآن مجید میں اختلاف ہے۔ آپ قرآن مجید کو کامل مکمل جانتے

ہیں۔ اور شعیہ اس میں کمی بیشی اور تحریف کے قائل ہیں۔ پھر کس کا اعتبار کیا جائے۔ دونوں متناقض کیا دونوں فریق غلطی پر ہیں۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جو جواب آپ کا ہوگا۔ ایسے ہی آپ قرآن کے ماننے والے اور دیگر غیر مسلم اقوام اہل کتاب آریہ وغیرہ کو قیاس فرمائیے۔

اب او راس طرح سے سنیے! آپ لوگ جو حدیث کو نہیں مانتے یا جزو دین قرار نہیں دیتے آپس میں معنی قرآن مجید میں سخت مختلف ہیں۔ اور ہر ایک کی دلیل صرف قرآن مجید ہے۔ نمازوں کی تعداد اور ازکار وہیات نماز احکام طہارت نکاح طلاق حج کی تفصیل ذکواۃ کے احکام کی تفصیل نصاب اجناس مال ذکواۃ روزوں کی تعداد و کیفیت و فیصلہ جات معاملات وغیرہ وغیرہ میں آپ لوگوں میں اختلاف ہوا اور سب ثقہ ہیں۔ اور پھر ایک دوسرے کے مخالف اور اختلاف ہے کس میں قرآن مجید میں کس کی صحیح کہیں کسی کو غلط اور اگر آپ اپنے ہی ہم عقیدہ اور خیال کے لوگوں کی تفسیر و معانی کو صحیح بتایئں اور انہیں کی بات کا اعتبار کریں تو پھر یہ دین نہ ہوا یہ تو پارٹی بازی ہوئی انصاف نہ ہوا۔ اب آیا خیال شریف میں جواب اپنی طرف سے آپ اس کا دیں گے اسی قسم سے ہمارا سمجھ لیجئے۔ معترض کا ایک اور مغالطہ ملاظہ ہو کہ جامعین حدیث جن رواۃ کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں پھر انہیں کی روایات اپنے مجموعوں میں درج کر دیتے ہیں۔

ہر آں کار کے بے استاذ باشد یقین میداں کہ بے بنیاد باشد

منکرین حدیث چونکہ باقاعدہ فن حدیث کو استاذ فن سے نہیں پڑھتے غیروں کے تراجم و اعتراضات کا مطالعہ کر کے شر انگیزیاں کرتے ہیں اس لئے متکلم کے کلام کو بگاڑ بگاڑ کر لوگوں کو بہکاتے ہیں غلط معنی بیان کر کے بہتان تراشی کر کے محدثین کو بدنام کرنا ان کے بایئں ہاتھ کا کھیل ہے۔ سنیئے قواعد جرح و تعدیل کے درجات ہیں ایسے ہی نقاد کے درجات ہیں پھر رواۃ کی رواۃ درج کرنے کے بھی درجات اورف اصطلاحات ہیں ہر مقام مُں ہر راوی کی روایت کا ایک ہی درجہ نہیں بلکہ ہر ایک کی روایت کا اعتبار بھی لازم نہیں۔ اس کے اغراض مختلف ہیں۔ جن کے بیان کی گنجائش نہیں اول تو جس ناقد نے کسی کو ناقابل اعتبار ٹھرایا وہ اس کی روایت کو نہیں لایا۔ کوئی دوسرا لایا ہوگا۔ او اگر کہیں وہ بھی لایا ہے تو اس کی روایت کی حجیت کے اعتبار سے نہیں لایا بلکہ دوسری غرض شواہد و اعتبار و تردید وغیرہ کی غرض سے ف لایا ہے نہ کہ حجیت کی غرض سے پس آپ کا اعتراض باطل ہوگیا۔ منکر کا ایک اور مغالطہ ملاحظہ ہو وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے کام بعض بحیثیت رسالت تھے اور بعض بحیثیت ذات پھر کیسے معلوم ہو کہ حضور ﷺ کے فلاں فلاں کام ذاتی ہیں۔ اور فلاں غیر ذاتی پھ ان کو جزو دین قرار دے دینا کس قدر زیادتی ہے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہ لوگ حدیث کو باقاعدہ استاذ حدیث سے نہیں پڑھتے اس لئے ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اے جناب حدیث کے جاننے والے سب جانتے ہیں کہ فلاں فلاں امر حضور ﷺ کا بحیثیت ذات ہے اور فلاں فلاں بحیثیت رسالت اگر آپ نے کوئی مثال پش کی ہوتی تو میں جواب دیتا اب کیا دوں جاننے والے جانتے ہیں۔ اگر آپ نہ جانیں تو قصور کس کا؟ ایک اور مغالطہ معترض کا ملاحظ ہو۔ دفع دخل کے طور پر حدیث اور تاریخ میں فرق بتاتا ہے۔ کہ تاریخ کو میرا دل چاہے مانوں چاہے نہ مانوں مگر حدیث چونکہ جزو دین ہے اس میں انکار سے ایمان زائل ہو جاتا ہے۔ لہذا دونوں میں فرق ہے۔

میں کہتا ہوں اس کا جواب پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اب پھر اتنا کہتا ہوں کہ مثلاً شاہان وہی بابر بادشاہ۔ اکبر بادشاہ۔ جہانگیر بادشاہ۔ شاہ جہاں۔ وغیرہ گزرے ہیں اور ان کی یادگاریں اور کارنامے بھی ہیں۔ کیا معترض اخبار میں شائع کر سکتا ہے۔ کہ یہ سب جھوٹ ہیں کوئی بھی نہیں گزرا محض ناول اور افسانے ہیں۔ معترض ہر گز یہ نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ بعض امور کے انکار کی گنجائش ہی نہیں آدمی انکار کر ہی نہیں سکتا ورنہ زمانہ اس کا منہ توڑ دے گا۔ ایسے ہی بعض امور کے اثبات کے درجات ہیں۔ کہ بعد ثبوت قطعی انکار کی گنجائش نہیں۔

ایک اور مغالطہ مکر معترض کا ملاحظہ ہو۔ صحیح بخاری کی حدیثوں کو غیر معتبر بنانے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں حدیث پش کی ہے کہ آپ سے تین جھوٹ بولے منکر باغض نے صحیح بخاری کی حدیث کی زکر کر کے تو اعتراض کیا مگر قرآن مجید کی آیتوں کا زکر نہیں کیا۔ جہاں حضرت ابراہیمؑ کے کفار کے بتوں کو توڑے کی بیان ہے کہ جب وہ لوگ اپنے میلہ کو جانے لگے اور حضرت ابراہیمؑ کو بھی جانے کو کہا تو انھوں نے ستاروں میں نظر کر کے کہا کہ میں بیمار ہوں یا ابھی بیمار ہونے والا ہوں تو وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے پیچھے ان کے بت توڑ ڈالے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ٨٨ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ٨٩ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ٩٠ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ٩١ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ٩٢ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ٩٣ (پ23 رکوع 6)

پھر جب انہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا کے ہمارے بت کس نے توڑے آپ نے فرمایا بڑے بت نے "

لیجئے دو جھوٹوں کو ذکر قرآن مجید میں ہی آگیا باوجود یہ کہ بیمار نہ تھے ۔ مگر تاروں میں نظر کر کے کفار پر بیماری ظاہر کی اگر فی الواقع بیمار ہوتے تو تاواں میں دیکھ کر کہنے کی کیا ضرورت تھی ۔ اور آپ نے بت توڑ کر بڑے بت کا نام لے لیا ۔ پھر جو توجیح یا تاویل وہ قرآن مجید کی کرے گا ۔ اسی قسم سے حدیث کی سمجھ لیجئے گا ۔ اور سنیئے ۔ !

فَلَمّا جَنَّ عَلَيهِ الَّيلُ رَءا كَوكَبًا ۖ قالَ هٰذا رَبّى ۖ فَلَمّا أَفَلَ قالَ لا أُحِبُّ الءافِلينَ ٧٦ فَلَمّا رَءَا القَمَرَ بازِغًا قالَ هٰذا رَبّى ۖ فَلَمّا أَفَلَ قالَ لَئِن لَم يَهدِنى رَبّى لَأَكونَنَّ مِنَ القَومِ الضّالّينَ ٧٧ فَلَمّا رَءَا الشَّمسَ بازِغَةً قالَ هٰذا رَبّى هٰذا أَكبَرُ

ترجمہ ۔ پھر جب ابراہیمؑ پر رات چھا گئی تو ایک تارے کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے ۔ پھر جب ہو غائب ہوگیا ۔ تو کہا کہ میں غائب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔ پھر جب چاند کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے ۔ پھر جب وہ غائب ہوگیا ۔ تو کہا کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرے گا تو میں البتہ گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا ۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے ۔ (پ 7 ع 14)

دیکھئے! حضرت ابراہیمؑ نے تارے ۔ سورج ۔ چاند ۔ کو خدا کہا یہاں پر بتلایئے ۔تارے سورج چاند کو خدا کہنا سچ ہے یا جھوٹ معترض بری طرح پھنسا اگر اس کو جھوٹ کہتا ہے تو جھوٹ ثابت ہوتا ہے ۔ اور اگر اس کو سچ کہتا ہے تو جھوٹ بھی ہے اور مشرک بھی بنتا ہے ۔ پھر یہ لطف کہ جھوٹ بھی حقیقی ہے ۔ یہ امر دیگر ہے کہ پیچھے انہوں نے اس کی تردید کی گفتگو تو اس میں ہے کہ ان کی زبان سے ایسا کلمہ نکلا جو سچ نہ تھا ۔ مگر تاہم ان پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں ۔لیجئے معترض حدیث کے ماننے والوں کو تین جھوٹوں کا الزام دے رہا ہے ۔ خود اس پر پانچ ثابت ہوگئے ۔ الٹا لینے کے دینے پڑگئے ۔ پھر جو تاویل یا توجیح پانچ کی کرے اسی قسم سے ہماری توجیہہ سمجھ لیجئے گا ۔ بلکہ حدیث میں جن جھوٹوں کا ذکر ہے ۔ وہ حقیقی نہیں مجازی ہیں ۔ یعنی ذو معنی کلام ہے ۔ توریہ ہے اور قرآن مجید والے حقیقی ہیں ۔ اور ہم تو اس سے زاید بھی بتا دیتے ہیں ۔ کہ حدیث کی توجیہہ یہ ہے کہ ان مقامات میں صرت کذب کی ہے کذب حقیقی نہیں ۔ ظاہ او متبادر مفہوم ان کا کذب ہے کہ فوری مخاطب جس کو سمجھتا ہے وہ کذب ہے اور در حقیقت وہ کذب نہیں حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؑ کو بہن کہا تو مخاطب نے حقیقی بہن سمجھا مگر ان کی غرض دینی بہن تھی ۔ **انما المومنون اخوۃ** بلکہ کتب سابقہ سے وہ ان کی چچیری بہن بھی معلوم ہوتی ہیں ۔ مگر ظاہری صورت کلام کی کذب کی ہے ۔ اور گو اس پر مواخذہ نہ ہو ۔ مگر تاہم بڑے لوگوں کو ایسے امور سے شرم آتی ہے ۔کہیے اس پر کیا اعتراض ہے ۔ جو کچھ بھی نہیں صرف معترض کی سمجھ کا پھیر ہے انی سقیم اور بل فعلہ کبیر ہم چونکہ قرآن مجید میں ہیں اس لئے میں نے ان کی توجیہہ نہیں کی تاکہ معترض ہی خود بیان کرے ۔

معترض نے ایک اور اعتراض کیا ہے ۔ کہ حضرت موسیٰؑ نے موت کے فرشتے کو تھپڑ مار دیا کہ ان کی آنکھ پھوٹ گئی ۔ میں کہتا ہوں ہاں ایسا ہی ہوا ۔کہیے اس میں کیا اعتراض ہے ۔ اس پر کوئی عقلی استحالہ پیش کیا ہوتا یا قرآن مجید کی کوئی آیت لکھی ہوتی ۔ جو اس کے مخالف ہوتی مگر معترض سے کچھ بھی نہ ہو سکا کیا معترض نے قرآن مجید میں کچھ نہیں پڑھا ۔ کہ حضرت ابراہیمؑ بچھڑے کا گوشت بھی ان کے کھانے کو لائے ان کے نہ کھانے سے خوف ذدہ بھی ہوئے اور حضرت لوطؑ بھی ان کو دیکھ کر قوم کی شرارت سے گھبرائے (سورہ ہود) حضرت مریمؑ کے پاس فرشتہ آدمی کی شکل میں آیا تو انہوں نے

قالَت إِنّى أَعوذُ بِالرَّحمٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ١٨

کہا (سورہ مریم) ایسے ہی حضرت موسیٰؑ کے پاس فرشتے آدمی کی شکل بن کے گھر میں آگیا وہ پہچانے نہیں ۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوط علیہ السلام پہلے پہل یہ پہچانے پھر اگر بے خبری کی حالت میں اجنبی جان کر تھپڑ مار دیا تو کیا تعجب ہے ۔ بہر حال یہ ایک اعتراض نہیں بلکہ ایک وہم ہے ۔ معترض نے ص 42 میں لکھا ہے ۔ کہ آج اگر کسی ایک حدیث کے متعلق بھی یقینی طور پر ثابت کیا جاسکے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ۔ پھر جو اسے دین نہ مانے اسے دین سے کیا علاقہ کہ وہ معصیت رسول ﷺ ہے ۔ جس کی سزا جہنم ہے ۔ لیکن جب کسی ایک حدیث کے متعلق بھی یہ شکل نہ ہو تو فرمایئے ۔ ایسے ظنی مجموعہ کو دین کیسے ٹھرایا جائے ۔ بس اب مطلع صاف ہوگیا کہ قرآن مجید کے علاوہ حدیث رسول ﷺ یعنی آپ ﷺ کا قول و فعل اور تقریر بعد ثبوت امر دین اور واجب العمل ہے جو نہ مانے وہ بے دین ہے جہنمی ہے بالکل صحیح ہے کہ ہر شک آر د کافر گردو ۔

اب رہا معترض کا ثبوت حدیث سے انکار یعنی یہ کہ وہ نوشتے اب محفوظ نہیں تو جواب یہ ہے کہ پیشتر ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود بہت سی احادیث لکھوائیں ۔ اور

صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے از خود بھی لکھیں اور یہ کہ وہ نوشتے بوقت رسول اللہ ﷺ موجود بھی تھے ۔ معترض خود بھی 30 میں اس امر کا اقرار کرچکا ہے ۔ اور یہ بھی گزرچکا ہے کہ خلفاء راشدین وغیرہ سلف صالحین و علمائے اسلام کا برابر اس پر عمل در آمد رہاہ زبانی روایت سے ضبط کتاب سے عمل سے تا ابن دم ثابت ہے ۔ پھر معترض کا انکار محض ہٹ دھرمی اور روز روشن میں سورج کا انکار ہے جسکو کوئی عقل مند باور نہیں کرسکتا ۔ ااس کے آگے چل کر معترض نے دفع دخل کے طور پر بڑی ہوشیاری کی ہے ۔ کہ اسوہ حسنہ اور عمل متواتر کو تسلیم کیا ہے ۔ اور جزو دین مانا ہے ۔

کفر ٹوٹا خُدا خُدا کر کے

اس کی غرض تو اس سے یہ ہے کہ قولی حدیثیں حجت نہیں مگر اس کو ماننا پڑے گا ۔ کہ بلا قول رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ و عمل متواتر پر عمل مشکل ہے ۔ بلکہ ہو ہی نہیں سکتا ۔ اس لئے کہ مثلاً نماز ہی کو لیجئے ۔ کہ اس کی ظاہر ہیت تو دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہے ۔ مگر اس کے ازکار اس میں کیا کیا پڑھا جائے کس قدر پڑھا جائے اور اگر فلاں فلاں زکر ترک ہوجائے تو کیا کیا جائے کون کون زکر واجب فرض ہے ۔ کون کون سنت مستحب وغیرہ ہے اس کے ارکان کیا کیا ہیں ۔ اگر نماز کو وقت سے بے وقت پڑھا جائے ۔ تو کیا قباحت ہے ۔ اور ترک کرنے میں کیا حرج ہے ۔ اگر نماز میں کسی کا گوز نکل گیا یا ریح خارج ہوگئی یا قطرہ پیشاب کا آگیا وغیرہ تو کیا کرنا چاہیے ۔ نماز میں باتیں کرنی اور دنیاوی کام جائز ہیں یا منع ہیں ۔ ایسے ہی پاکی پلیدی طہارت استنجاء غسل وغیرہ ۔ کی تفصیل کہ کس کس چیز سے پانی یا کپڑا بدن وغیرہ ناپاک ہوتے ہیں ۔ کس کس سے کس طرح پاک ہوتے ہیں ۔ پاکی پلیدی کی حدود کیا ہیں ۔ ناقض طہارت کی کیا ہیں ۔ یہ سب امور بلا قول ناممکن الحصول ہیں ۔ ایسے ہی نصاب اور احکام ذکواۃ وحج و عقول ودیات و حلال و حرام وغیرہ وغیرہ یہ امور بلا رسول اللہ ﷺ کے بتلائے معلوم نہیں ہوسکتے ۔ اور یہ امور قرآن مجید میں مفصل و مصرح بھی نہیں لہذا ان کا علم بلا قول رسول ﷺ ناممکن ہے پس ثابت ہوا کہ اسوہ حسنہ و عمل متواتر کا اکثر حصہ بھی رسول اللہ ﷺ کے قول پر موقوف ہیں ۔ اور یہ دونوں باقرار معترض دین ہیں ۔ پس قول رسول ﷺ بھی دین ہے ۔ اگر وہ محفوظ نہیں تو دین بھی محفوظ نہیں ۔ پس ماننا پڑے گا کہ حدیث رسول ﷺ محفوظ ہے اور یہ کہ وہ دین ہے اور اس کا انکار بے دینی ہے ۔ س تحریر سے معترض کے ص 24 کے تجزیہ کا نمبر 3 بھی باطل ہوگیا ۔ جس کا خلاصہ عدم حفاظت حدیث تھا اس لئے کہ اگر حدیث محفوظ نہ ہوتی تو پھر دین بھی محفوظ نہیں رہ سکتا تھا اور نہ ہی قرآن مجید پر عمل ہوسکتا ہے ۔ اس لئے کہ نمبر 2 کے اعتبار سے اگرچہ قرآن مجید کے الفاظ محفوظ ہیں مگر تفسیر پر شخص اپنے اپنے مذہب کے موافق کرتا ہے پھر بلا تشریح رسول ﷺ قرآن مجید پر صحیح طور پر کیسے عمل کیا جا سکتا ہے ۔ ہر گز نہیں ۔ ورنہ معترض کو کیا حق ہے ۔ کے دوسرے پر اعتراض کرے اس لئے کہ وہ بھی اپنی سمجھ کے موافق قرآن مجید پر عمل کرتا ہے ۔ پھر یہ ترجیح بلا مرجح کیسی یہ تو پارٹی بازی ہوئی ۔ انصاف نہ ہوا ۔

یہاں معترض نے پھر پچھلی باتیں دھرایئں ہیں کہ کتب حدیث دوڈھائی سو برس بعد وفات رسول اللہ ﷺ مدون ہوئیں ۔ اور یہ کہ وہ نقل بالمعنی ہیں اور یہ کہ پچھلوں نے سینکڑوں برس پہلوں پر تنقید کی ان سب کا جواب دندان شکن پہلے ہوچکا ہے ۔ ملاظہ ہو ۔ یہاں یہ ایک امر زائدی بیان کیا ہے کہ ان کتب حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور انبیاء کرامؑ کی شان میں طعن پایا جاتا ہے پھر صحیح بخاری کا نام لیا ہے ۔

جواب یہ ہے کہ معترض نے یہاں نہ کوئی عبارت نقل کی نہ کسی طعن کا تفصیل کی ۔ صرف طعن کا لفظ لکھ دیا کیا اچھا ہوتا کہ کوئی مثال دیتا یا عبارت یا ترجمہ نقل کرتا تو اس کی قلعی اتار دی جاتی ہے ۔ سو پہلے حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کا زکر ہوچکا ہے ۔ اگر وہی اس کی مراد ہے ۔ تو اس کا جواب دندان شکن ہوچکا ہے ملاحظہ ہو ۔ اور اگر کچھ اور ہے تو بیان کرے ان شاء اللہ جواب بالصواب دیا جائے گا ۔ پھر ان شاء اللہ اس کو لینے کے دینے پڑ جایئں گے ۔ جیسے پہلے اعتراض میں پڑے ہیں ۔ صحیح حدیث میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ۔ منکرین کی اپنی سمجھ کا پھیر ہے ۔

گر نہ بنید بروز شپرہ چشم چشمہ ء آفتاب راچہ گناہ

یوں اعتراض تو لوگوں نے صدہا قرآن مجید پر بھی کئے ہیں کہ جیسے ان کی سمجھ کا قصور ہے ۔ ایسے ہی انکار حدیث ان کی سمجھ کا قصور ہے ۔ حدیث کے قاضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث رسول ﷺ قرآن کی تشریح و تفسیر ہے ددوسرں کی تفسیر پر تفسیر رسول مقدم ہے وہ مطلب نہیں جو معترض سمجھتا ہے ۔ معترض نے ص 46 میں لکھا ہے ۔ کہ جیسے امام بخاریؒ نے چھ لاکھ حدیث میں سے تین ہزار انتخاب کر کے مسترد کردیں اسی طرح ان کے مجموعے سے بھی ایسی حدیثیں الگ کی جا سکتی ہیں ۔ جو دین کے معیار پر صحیح نہ اتر

سکیں۔ الخ

میں کہتا ہوں اس سے ثابت ہوا کہ جو معیار دین پر صحیح اتریں وہ قابل قبول ہیں۔ اس سے اس کا انکار کلی (یعنی یہ کہنا کہ تمام کتب احادیث کا مجموعہ محض ظنی ہے۔ جو قابل قبول نہیں لہذا باطل ہوگیا۔ اب ہم دیکھتے ہیں تو اللہ کے فضل سے صحیح بخاری وغیرہ دیگر کتب کی ہزارہا احادیث معیار دین پر صحیح اترتی ہیں۔ لہذا وہ قابل قبول و واجب العمل ہیں۔ اور ان کا انکار شریعت اسلام کا انکار ہے۔ معترض 43 میں اختلاف دور کرنے کا حل صرف ایک ہی بتایا ہے۔ وہ یہ کہ بعد قیام حکومت اسلامیہ کے مرکز ملت مجلس شوری کی مشاورت سے قرآن کریم کی بنیادوں پر تاریخ کی روشنی میں کسی فیصلہ پر پہونچیں تو وہ فیصلہ امت میں نافذ العمل ہو جائے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

معترض نے اپنے سارے ساختہ پر داختہ کو خاک میں ملا دیا اور بری طرح شکنجہ میں آپھنسا کیوں جناب؟ مجلس شوریٰ کا تاریخ کی روشنی میں فیصلہ دین ہوگا یا بے دینی اگر بے دینی ہے تو آپ کو مبارک ہو اور اگر دین ہوگا تو کیا وہ تاریخ مثل قرآن قطعی ہے۔ اور مشورہ اور غور و فکر لوگوں کا قطعی ہے یا غیر قطعی کیا کوئی اس کو قطعی کہہ سکتا ہے۔ ہر گز نہیں پھر دین ظنی ہوا یا قطعی اور کیا اب وہ محفوظ ہے۔ اور ضبط ہے۔ اور کیا وہ مثل قرآن اب تک محفوظ چلا آتا ہے۔ یا کچھ بھی نہیں اب آپ کی وہ تعلی وہ ڈینگ کہاں گئی کہ حدیث ظنی ہے۔ لہذا جزو دین نہیں ہو سکتی۔ دین یقینی ہونا چاہیے پھر بتایئے آپ تو حدیث کو قاضی کہنے سے گھبرا رہے تھے اب آپ نے مجلس شوریٰ کو قاضی بنایا اور قرآن مجید کو قاضی نہ سمجھا قرآن مجید کو مجلس شوریٰ کا محتاج بنا دیا کیا یہ شخصیت پرستی نہیں ہے ضرور ہے۔

وہ الزام ہم کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

معترض نے ضمناً بہت سی باتیں قابل مواخذہ لکھی ہیں میں نے بسبب طوالت ان کو نظر انداز کر دیا ہے ورنہ ورنہ میں اس کے ایک ایک فقرے کو باتوفیق اللہ توڑ پھوڑ باطل کر دیتا۔ آخر میں معترض نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ مجھ کو چکڑالوی اہل قرآن یا منکر حدیث اور نہ معلوم کیا کیا کہیں گے۔ مگر وہ یہ بتایئں کہ اس میں (یعنی میرے بیان میں) کہیں غلط بیانی سے کام تو نہیں لیا گیا۔ میں کہتا ہوں بتایئے۔ پھر آپ کو کیا کہیں۔ کیا قائل حدیث یا منکر چکڑالوی اہل قرآن تو منکر حدیث ہیں بتایئے۔ آپ کس گروہ میں ہیں۔ آپ اپنا مذہب بھی نہیں بتاتے حدیث کے انکار سے بھی شرم ہے اور قائل بھی نہیں ہیں تو بیچ میں واسطہ کونسا ہے۔ اور ہاں میں کہتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے بالکل غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ بیان سابقہ ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت کرے۔

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ١٨٠ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ١٨١ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ١٨٢

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ علمائے حدیث

جلد 11 ص 15-62

محدث فتویٰ